عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

رجب ۱۴۳۵ھ / مئی ۲۰۱۴ء

زیر سرپرستی : مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی : ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلس مشاورت : حاجی شیر حسن صاحب، مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست
مولانا محمد طفیل، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول : ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت : ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی

Reg No. P476

جلد: دوازدھم

شمارہ: 9

فہرست

صفحہ نمبر	صاحبِ مضمون	عنوان
۱	حضرت مولانا اشرف خان سلیمانیؒ	۱۔ مجلس
۶	ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ	۲۔ بیان خانقاہ نقشبندیہ غفوریہ مردان
۱۹	ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب	۳۔ ہائے پیسہ وائے پیسہ: فنا فی المال
۲۳	ظہور الٰہی فاروقی صاحب	۴۔ ملفوظاتِ شیخ (قسط۔۵۷)
۲۸	ایک دردمند مسکین پاکستانی میڈیکل ڈاکٹر	۵۔ خط بنامِ ادارہ
۳۲	ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ	۶۔ تبصرۂ کتب
۳۴	انتخاب از روزنامہ اسلام	۷۔ حضرت ابومسلم خولانیؒ

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org.pk

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

مجلس: حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

(اس مجلس کے ارشادات ۱۴ فروری ۱۹۶۹ء بعد نماز مغرب حضرت مولانا صاحبؒ نے اپنے گھر پر فرمائے)

میرے حضرت (علامہ سید سلیمان ندویؒ) نے مجھے لکھا تھا کہ بندہ لفظاً پیر ہے اللہ تعالیٰ معناً بھی بنا دے۔ میں تو کچھ نہیں۔ بزرگوں کے کہنے کے مطابق بیعت کرتا ہوں۔

نسبت کے متعلق فرمایا: پہلے مناسبت ہوتی ہے۔ پھر نسبت قائم ہوتی ہے مناسبت اس چیز کو کہتے ہیں کہ شیخ کی باتوں میں کچھ انقباضِ عقلی محسوس نہ ہو۔ وہ جو بات بتائے یا وہ جو عمل کرے اس سے مرید نہ بدکے اور نہ اس پر زبانی یا قلبی اعتراض کرے۔ اگر کوئی بات خلافِ طبیعت دیکھے تو اس کی اچھی تاویل کرے۔ ایک ہوتی ہے بیگانگی اور ایک ہوتی ہے یگانگی۔ جو اپنا ہوتا ہے اس کے ساتھ معاملہ اور ہوتا ہے اور جو غیر ہوتا ہے اس کے ساتھ معاملہ اور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سلطان محمود کی دلہن کو اپنے بچے کی گندگی سے کراہت نہیں آئے گی بلکہ اس کو صاف کرے گی۔ جب یگانگت ہو جاتی ہے تو گندگی میں بھی کراہت نہیں ہوتی۔ شیخ کے تو برے اعمال ہوتے ہی نہیں، پھر بھی اگر تقاضائے بشری کی وجہ سے کچھ ایسی ویسی بات کرے تو اس کو برداشت کرے۔ شیخ کا رشتہ کچے دھاگے کا رشتہ نہیں، یہ رشتہ ریشم کے دھاگے کا ہے۔ یہ ٹوٹنے والا رشتہ نہیں اور نہ ہی یہ بیتِ عنکبوت ہے کہ نہ ارادت ہے اور نہ شیخیت۔ شیخ بھی بہر حال انسان ہے۔ اگر انسان ہونے کی حیثیت سے کوئی بات غلط صادر ہو جائے تو اس غلط بات کے صدور کے باوجود اگر اس کا کبائر پر استمرار نہیں اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے، اور اگر کبھی لغزش ہو جاتی ہے تو اس پر توبہ کرتا ہے، نہ وہ بدعتی ہے نہ آپ کو گناہ کی دعوت دیتا ہے، تو ایسی حالت میں اس کے ساتھ تعلق کو قطع نہیں کرنا چاہئے۔ یگانگت اور اپنائیت جب ہو گی تو اس کے بعد مناسبت ہو گی اور اس کے بعد اشتراکِ قلوب ہو گا اور مناسبتِ قلبی پیدا ہو گی۔ دل کی مثال آئینہ کی ہے اور آئینہ اگر متوازی اور شفاف نہ ہو تو ایک آئینہ کا عکس دوسرے آئینہ پر منتقل نہیں ہوتا۔ ایک آئینہ کی سمت مشرق کو ہے اور دوسرے آئینہ کی سمت مغرب کو ہے تو ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے سے کیا لے گی۔ مناسبت کی بنا پر قلوب کے آئینے متوازی ہو جاتے ہیں۔ اب رہی صفائی قلوب تو اس میں پہلی بات یہ ہے کہ شیخ پر اعتراضِ لسانی اور اعتراضِ قلبی نہ ہو۔ نفس میں شیخ کے آگے ادعا نہ ہو یعنی یہ بات نہ ہو کہ میں بھی کچھ سمجھتا ہوں۔ اعتراض میں اعتراضِ قلبی اشد ہے، کیونکہ دلوں پر اثر زیادہ پڑتا ہے اور عامۃ الناس سمجھتے ہیں کہ شیخ کو ہمارے اعتراض کا کیا پتہ ہے لیکن جس کی تربیت کسی کے ساتھ متعلق ہو

جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ شیخ پر بات کھول دیتا ہے۔ یہ شیخ کے لئے تکدرِ قلبی (دل کا میلا ہونا) کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس نہ اعتراضِ قلبی ہو اور نہ اعتراضِ لسانی۔ جب تک اعتراضِ قلبی نہیں ہوگا تو اعتراضِ لسانی نہیں ہوگا۔ دعویٰ نہ ہو۔ شیخ کے سامنے اپنے آپ کو فنا کر کے آؤ، اپنی رائے کو فنا کر دو۔ شیخ کے پاس خالی (اعتراض وغیرہ سے) آؤ گے تو بھرے جاؤ گے اور اعتراضوں اور شکوک وشبہات اور دعوؤں سے بھرے آؤ گے تو خالی جاؤ گے۔ اگر اس ارادہ سے آؤ گے کہ مجھے کچھ نہیں آتا تو اللہ اس تواضع اور انکسار پر دے گا۔ شیخ کی باتوں سے تکدر نہ ہو۔ اگر طبیعت کو نہیں لگتیں پھر بھی اپنے آپ کو لگاؤ۔ یگانگت کے بعد جب مناسبتِ طبعی ہو جاتی ہے تو پھر انقباضِ طبعی بھی نہیں ہوتا اور پھر غیریت بھی نہیں ہوتی۔ جب قلوب یکجا ہو جاتے ہیں اور جب نسبتیں یکساں ہو جاتی ہیں تو فیضانِ الٰہی ہوتا ہے۔ پھر جو ورود شیخ کے قلب پر ہوتا ہے وہ مرید کے قلب پر بھی ہوتا ہے۔ یا مصرف القلوب صرف قلوبنا الیٰ طاعتک. یہاں شیخ صرف اپنے قلب کو نہیں پھیرتا بلکہ متوسلین کے قلوب کو بھی پھیرتا ہے۔ (یہ بات گہری ہے) طلب چاہئے۔ کیونکہ طلب مفتاح الفیض ہے، چابی ہے فیوض کے لینے کی۔ جتنی طلب کامل ہوگی اتنی عطا کامل ہوگی۔ یہ سب اخلاصِ تامہ کے ساتھ ہوگا۔ اخلاص ہوگا تو شیخ کا انقباض دور ہوگا۔ جب یہ مناسبت قائم ہو جاتی ہے تو پھر شیخ اور مرید کے دل متوازی ہو جاتے ہیں اور فیوضِ ربانی کے قابل ہو جاتے ہیں۔ جب شیخ کا قلب مرید کے قلب کے ساتھ مناسبت پا لیتا ہے اور ارادۂ الٰہیہ ہو جاتا ہے تو قرب اور بُعد کے مسائل بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں دینے والی اللہ کی ذات ہے۔ جو اللہ یہاں عطا فرماتا ہے وہ وہاں دوسرے کو بھی دیتا ہے۔ روح کے لئے مفاصل کچھ بھی نہیں۔ پہاڑ، درخت، دریا، راستے کچھ بھی نہیں۔ اگر ایک شیشہ لگا ہوا ہو اور سورج نکلا ہوا ہو، اس شیشہ میں پورے کا پورا سورج آ جائے گا۔ اس آئینہ کے مقابل دوسرا آئینہ ہو تو اس آئینہ میں بھی دکھائی دے گا۔ اس طور پر فیوضِ الٰہیہ اور فیوضِ نبویہ جب شیخ کے قلب پر وارد ہوتے ہیں تو وہ قلوب جو مناسبت لئے ہوئے ہوتے ہیں وہ اپنی استعداد کے بقدر فیض کو لے لیتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل (Natural Phenomenon) ہے۔ جس قدر دل صاف اور شفاف ہوگا اسی قدر اس میں فیوض و برکات کا انعکاس ہوگا۔

رومیوں اور چینیوں کی مثال آپ نے سنی ہوگی۔ ایک بادشاہ تھا۔ اس نے رومیوں اور چینی فنکاروں کا مقابلہ کرانا چاہا۔ ایک کو کہا کہ تم اس دیوار پر نقش و نگار بناؤ اور دوسرے فنکاروں کو کہا کہ تم اس کے بالمقابل دیوار پر نقش و نگار بناؤ۔ دونوں دیواروں کے درمیان پردہ لٹکا دیا گیا۔ چھ مہینے کے بعد پردہ ہٹایا تو ہو بہو جو رومیوں کے نقش تھے وہی چینیوں کے۔ بادشاہ بھی حیران تھا کہ یہ کیا ہے۔ ایک بال کے برابر بھی فرق نہیں ہے۔ بات کیا تھی کہ رومیوں نے نقش و نگار بنائے تھے اور چینیوں نے دیوار کو صیقل کیا تھا یعنی آئینہ بنا دیا تھا۔

ذکرِ حق سے صیقلِ کامل ہوا
جلوہ فرماوہ مہِ کامل ہوا

اسی طرح تم اپنے دل کو صیقل کرو تو شیخ کے قلب پر جو فیضان ہوگا وہ آپ کے دل پر بھی ہوگا۔ شیخ کو کیا دیکھتے ہو، اپنے اندر ڈوبو۔ کارِخود کُن کارِ بیگانہ مکن۔ شیخ راستہ بتائے گا۔ اللہ تعالیٰ منزل پر پہنچائے گا۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

ترجمہ: پانی کم ڈھونڈو، پیاس پیدا کرو تا کہ اوپر نیچے ہر طرف سے پانی جوش مارنے لگے۔

صحیح معنوں میں تشنگی پیدا کرو تا کہ نیچے اور اوپر سے پانی ابل پڑے۔ شیخ کی مجلس میں اپنے کو دیکھو یا شیخ کو دیکھو۔ دوسرے رفقا کے ساتھ شیخ کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کو نہ دیکھو۔ اس سے تحاسد و تباغض پیدا ہوگا اور اس سے بھٹہ بیٹھ جائے گا۔ اچھے اچھے اس میں برباد ہوئے ہیں۔ نظام الدین اولیاءؒ کے تین خدام تھے۔ ان کو یہ تمنا ہوتی تھی کہ اب یہ ملے گا، اب وہ ملے گا۔ اس راہ میں ملنے کی بھی تمنا چھوڑ دو۔

دیدار کی ہوس ہے تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لئے میں خدا چاہتا ہوں

طلبِ مشیخت اور خلافت اس راہ کے بت ہیں۔ یہ تینوں خدام حضرت کے خدمت میں رہنے لگے۔ چند دن کے بعد حضرت نے ایک کو خلافت دی۔ اب جو باقی دو ساتھی تھے انھوں نے آپس میں باتیں شروع کیں۔ ایک نے ایک بات کی، دوسرے نے دوسری بات کی، کہ ہم تو خدمتیں کر کے تھک گئے اور خلافت دوسرے کو ملی، ہم کتنے عرصے سے انتظار میں ہیں اور یہ نو وارد آیا اور لڈو پیڑے لے گیا، یہاں بھی کچھ اندر گڑ بڑ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ بلبن بادشاہ کا زمانہ تھا۔ خدا کی شان کہ بلبن نے ایک ہاتھی حضرت سلطان جی کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا۔ جب ہاتھی پہنچا تو یہ تینوں (دو پرانے اور ایک نیا، جس کو خلافت عطا کی گئی تھی) بیٹھے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ بادشاہ کا ہدیہ ہے، اگر رد کروں تو اچھی بات نہیں لیکن اس کو رکھیں گے کس جگہ؟ اس کو میرے کوٹھے کی چھت پر چڑھاؤ۔ دونوں پرانے بزرگ جو تھے اُنھوں نے کہا حضرت آپ بھی مذاق کرتے ہیں، ہاتھی کو بھی کسی نے کوٹھے کی چھت پر چڑھایا ہے اور نو وارد جس کو خلافت دی تھی بغیر تامل ہاتھی کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور زور لگانے لگا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم میں اور اس میں یہ فرق ہے۔ تم میں ادعا ہے، اس میں اطاعت

ہے۔ باہمی تحاسد اور تباغض بہت ساروں کی راہوں کو مار لیتا ہے۔

ان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب

حسد نیکیوں کو ایسے کھا لیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے کام کو دیکھے، دوسرے کے کام میں ٹانگ نہ اڑائے۔ کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن۔ اگر یہ حالت رہے گی تو بات چلتی رہے گی۔ ورنہ کہیں نہ کہیں شیطان اڑنگا لگائے گا۔ تکوینی رُخ کے جو لوگ ہوتے ہیں ان کو صاحبِ خدمت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بڑے بڑے کاموں کا سبب بنا دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ذی وجاہت ہوں تو پھر اہلِ دنیا ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے کسمپرس اور پھٹے پرانے کپڑوں میں رہتے ہیں۔ ایک صاحبِ خدمت بزرگ تھے۔ ان کے پاس داراشکوہ بھی گئے اور اورنگزیب عالمگیر بھی گئے۔ جس وقت داراشکوہ ان کے پاس گئے تو ان صاحبِ خدمت بزرگ نے اس کو مسند پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت میں اس مسند پر کیسے بیٹھوں؟ پوچھا کہ کس لئے حاضر ہوئے ہو۔ کہا کہ تخت و تاج ملے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے تو پیش کیا تھا لیکن تو نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد اورنگزیبؒ گئے اور کہا کہ حضرت دعا کریں کہ تخت مل جائے۔ اس کو بھی مسند پیش کی۔ اورنگزیبؒ بے تکلف بیٹھ گئے۔ کہا کہ تخت و تاج کے لئے آیا ہوں۔ کہا کہ تخت تو دے چکا ہوں، تاج وہ دے گا جو آپ کو وضو کراتا ہے۔ یہ واپس آئے اور تہجد کے وقت وضو کرانے والے خادم کو کہا کہ یہ پگڑی میرے سر پر رکھ دو۔ اس نے پگڑی سر پر رکھ دی اور کہا کہ اب میرا راز فاش ہو گیا، مجھے اجازت دیں کہ میں رخصت ہو جاؤں۔ ان لوگوں کو بہت ایسا ویسا حال ہوتا ہے۔ دو طرح کی بادشاہیاں چل رہی ہیں۔ فیصلے اوپر سے ہوتے ہیں وہ عقائد اور اعمال پر ہیں۔ امتِ اجابت کے عقائد و اعمال اچھے ہوں گے تو حالات بھی اچھے ہوں گے۔ یہ اہلِ خدمت تغیر اور تبدل نہیں کر سکتے۔ ان کی مثال اجراء کی ہے۔ جو حکم ملتا ہے وہ پورا کرتے ہیں۔ باطنی نظام کی جڑ اہلِ ارشاد کے پاس ہے۔ لیکن تنفیذ کی جو ظاہری صورتیں ہیں وہ اہلِ خدمت کے پاس ہیں۔ اہلِ ارشاد لوگوں کو نیک باتوں کی تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کو نیکیوں پر ڈالتے ہیں تو خیر کے فیصلے ہوتے ہیں اور ان کو اہلِ خدمت نافذ کرتے ہیں۔ محمد بن قاسم کے وقت میں اسلام جماعتی تاثر سے پھیلا ہے۔ بعد میں لوگوں نے محمد بن قاسم کے مجسمے بنا کر پوجے ہیں۔ جس وقت اللہ نے چاہا کہ ہندوستان و پاکستان میں دین آئے تو ظاہر کے لحاظ سے مسلمان حکمرانوں کو بھیجا اور باطن کے لحاظ سے اہلِ ارشاد و اہلِ خدمت آتے رہے۔ اہلِ خدمت اپنے آپ کو چھپاتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو ان کا زیادہ پتہ نہیں ہوتا۔ اگر ہندوستان کی تاریخ پر آپ نگاہ ڈالیں گے تو آپ کو دو متوازی نظام نظر آئیں گے۔ ایک فقراء کا اور ایک اہلِ سلطنت کا۔ سلطان محمود غزنویؒ کے حملوں سے اللہ پاک نے چاہا کہ

لاہور تک ہدایت پھیلے۔اس کے ساتھ اللہ والوں نے علی ہجویریؒ کو بھیجا اوران کے ذریعے سے دین کا ایک رُخ چلا۔ان کے بعد شہاب الدین غوری آئے۔شہاب الدین کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے معین الدین اجمیریؒ کو بھیجا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان الہند کو اللہ تعالیٰ نے ایک معنی میں یہ خدمت حوالے کی تھی چنانچہ سلطنت ہند کی عمومی ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ متعلق کیا تھا۔ ہند کے قلب میں بٹھا دیا گیا تھا۔انھوں نے دہلی میں اپنے خلیفہ حضرت بختیار کا کیؒ کو بھیجا۔بختیار کا کیؒ کے خلیفہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ پاکپتن کے علاقے میں فروکش ہوئے۔وٹو وغیرہ قومیں حضرت گنج شکرؒ کے ہاتھوں مسلمان ہوئیں۔ان کے مریدین میں سے ایک طرف سلطان جی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو دہلی میں اور حضرت علاؤ الدین صابر کلیریؒ کو کلیر میں بٹھایا۔کشمیر میں اللہ تعالیٰ نے شیخ ہمدانیؒ سے کام لیا۔دین زیادہ اولیاء اللہ اور صوفیوں سے پھیلا ہے۔سیدنا نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے میں یہ نوعیت تھی کہ گویا وہ تمام ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔انھوں نے ہند کے مختلف علاقوں میں خلفاء بھجوائے۔جنوبی ہند تک ان کے خلفاء پہنچے ہیں۔پھران کے خلفاء کے خلفاء سے دین چلتا رہا ہے۔پنجاب، بہار اور بنگال میں ان کے خلفاء سے اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا۔ملتان کے علاقے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کو بھیجا۔ان سے اوران کے بیٹے رکن الدینؒ سے اللہ تعالیٰ نے ملتان کے علاقے میں دین کا کام لیا۔علامہ عراقیؒ زکریا ملتانیؒ کے مرید تھے۔ان کے ذریعے سے سہروردیہ سلسلہ کو فروغ ملا۔بنگال و بہار میں اللہ تعالیٰ نے شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ سے دین کو پھیلایا۔ان کا عجیب معاملہ تھا۔پہلے بہت مجاہدات کئے۔طلب شیخ میں پنجاب آئے۔کوئی نہ ملا۔دہلی گئے۔نظام الدین اولیاءؒ کے پاس پہنچے۔انھوں نے کہا کہ تیرا حصہ میرے پاس نہیں ہے۔انہی دنوں دہلی میں کبرویہ سلسلہ کے ایک بزرگ نجیب الدین فردوسیؒ موجود تھے۔ان کی زیادہ شہرت نہیں تھی۔آپ ان کے پاس بھی گئے اوران سے بیعت کی۔بیعت کے بعد انہوں نے رخصت کیا اور ایک خط دیا اور کہا کہ اس کو فلاں جگہ پہنچ کر پڑھ لینا۔جب خط کھولا تو اس میں اجازت خلافت تھی اور یہ نصیحت کی تھی کہ واپس دہلی نہ آنا۔جس وقت خط پڑھا اس وقت شیخ کا انتقال ہوا۔اوران کی روحانی نسبت کا بھی شیخ شرف الدینؒ کے قلب میں انتقال ہو گیا۔آپ رستے ہی سے تنِ تنہا جنگلوں میں نکل گئے اور انتہائی مجاہدات اور چلہ کشیاں کیں۔بعد میں مریدوں اور لوگوں کے تقاضا سے شہر میں آ گئے۔بہار، بنگال اور اڑیسہ میں بہت فیض پھیلا۔حضرت مجدد سرہندیؒ، آدم بنوریؒ اور معصومؒ کے مکتوبات سلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ویسے مکتوباتِ صدی جو شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کے تربیتی خطوط ہیں وہ بھی سلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔اٹک میں جو بزرگ ہیں ان کا نام بھی مولانا یحیٰ صاحبؒ ہے جو حضرت جی صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔نقشبندی مجددی ہیں۔

ماهانه اجتماع خانقاه نقشبندیه غفوریه مردان

(بیان حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ ۔ ۲ مئی ۲۰۱۴ء)
(پشتو سے ترجمہ ترمیم واضافے کے ساتھ۔ڈاکٹر زیاد طارق)

خطبۂ ماثورہ۔امابعد

قد فلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہٖ فصلیٰ ط بل تؤثرون الحیاۃ الدنیا و الاٰخرۃ خیر و ابقیٰ ط ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ صدق اللّٰہ العظیم

محترم ومکرم حضرات! ماسٹر عزیز صاحب نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا ادریس انصاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ ہے مردان میں۔ وہاں ان کے متعلقین جمع ہوتے ہیں۔وہاں ضرور حاضری دینی چاہئے۔یہ برکت کی جگہیں ہوتی ہیں۔یہاں دین کا کام ہوا ہوتا ہے،قال اللہ وقال رسول اور اللہ کا ذکر ہوتا ہے،لوگ اخلاص سے جمع ہوئے ہوتے ہیں،توبہ تائب ہوئے ہوتے ہیں،لہٰذا یہ رحمت کے مراکز ہوتے ہیں۔رحمت کے اس مرکز سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے اور آپ حضرات کی زیارت کی نیت سے کہ آپ دین کا کام کر رہے ہیں میں حاضر ہوا ہوں۔

ایک دفعہ میں رائیونڈ میں حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا۔آپ اس وقت رائیونڈ کے امیر تھے۔ بھائی عبدالوہاب اور بھائی مشتاق صاحب وغیرہ کو بزرگوں نے ان کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے بٹھایا ہوا تھا۔ظاہر شاہ صاحبؒ بہت بزرگ شخصیت تھے۔آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ کے بھی خلیفہ تھے اور ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے بھی خلیفہ تھے۔سادات خاندان سے بھی تھے، گہرے علم وتقویٰ والے اور زبردست فہم وفراست والی شخصیت تھے۔ہم ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک طرف سے ڈھول کے بجنے کی آواز آنے لگی۔انھوں نے پوچھا کہ آپ کو آواز آئی؟ ہم نے کہا جی۔کہا کہ جانتے ہو یہ کیا آواز ہے؟ پھر فرمایا کہ یہ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کا عرس ہے۔شاہ ابوالمعالی صاحبؒ لاہور میں دفن ہیں اور بہت اونچے درجات والے بزرگ ہیں۔آپ ایک دفعہ شاہ دولہؒ سے ملاقات کے لئے گجرات تشریف لے گئے۔شاہ دولہؒ گجرات کے ایک بازار میں شیشوں والا چوک میں دفن ہیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے براہِ راست خلیفہ ہیں۔آپ ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کے پہلے آدمی ہیں اور یہاں قادریہ سلسلہ آپ کے ذریعے سے پھیلا ہے۔جب شاہ ابوالمعالیؒ وہاں پہنچے ان سے ملاقات کے لئے تو شاہ

دولہؒ وہاں موجود نہیں تھے۔ پتا چلا کہ وہ رائے پنڈ گئے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی ایک قوم راجپوت ہے۔ان کو رائے بھی کہتے ہیں۔راجپوتوں میں ہندو بھی ہیں، مسلمان بھی ہیں اور سکھ بھی۔تو رائے پنڈ کا مطلب راجپوتوں کا قصبہ ہوا۔حضرت شاہ دولہؒ رائے پنڈ گئے ہوئے تھے۔حضرت شاہ ابوالمعالیؒ بھی ان سے ملاقات کے لئے گجرات سے رائے پنڈ روانہ ہو گئے۔پہنچے تو دیکھا کہ اک خالی بیابان علاقہ ہے اور یہ بزرگ وہاں بیٹھے مراقب ہیں۔ان سے ملاقات ہوئی۔پوچھا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔شاہ دولہؒ نے فرمایا کہ یہاں تو بے انتہا انوارات کا نزول ہو رہا ہے اور میں ان انوارات سے استفادہ کے لئے یہاں مراقب ہونے آیا ہوں۔مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ نے بتایا کہ وہ یہی جگہ ہے جہاں ہمارا رائے ونڈ مرکز بنا ہوا ہے۔زمانہ گزرنے کے ساتھ رائے پنڈ بدل کر راوئیونڈ ہو گیا۔تو اتنا عرصہ پہلے سے یہاں انوارات کا نزول شروع ہو گیا تھا۔سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ ایک بار دیوبند کے قصبے پر گزر رہے تھے۔اس کا پرانا نام دیوی بانا ہے جو کہ ہندوؤں کی کسی دیوی سے منسوب ہے۔اس وقت دیوی بانا کوڑا کرکٹ کا ایک ڈھیر تھا۔سید صاحب جب یہاں سے گزرے تو فرمایا کہ یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔اس جگہ پر دارالعلوم دیوبند کی ابتدا ۱۸۶۷ء میں ہوئی ہے جب کہ ان کا گزر وہاں سے کہیں ۱۸۲۴ء میں ہوا ہے یا شاید ۱۸۲۰ء میں۔تو اتنا عرصہ پہلے فرمایا کہ اس ڈھیر سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔

جن جگہوں پر دین کا کام ہوا ہو یا ہو رہا ہو یا ہونے والا ہو وہاں انوارات کا نزول پہلے سے شروع ہو جاتا ہے۔جن لوگوں کا قلب روشن ہو اور صاحب ادراک ہوں تو وہ ان انوارات کو محسوس کر لیتے ہیں۔دیوی بانا کا نام آیا تو اس پر ایک بات یاد آ گئی۔یہ بات حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے پوتے قاری طیب صاحبؒ صدر مدرس و مہتمم دارالعلوم دیوبند کی بیان کی ہوئی ہے۔ہندوؤں کا بڑا مرکز بنارس میں ہے۔اس کے پاس دریائے گنگا بہتا ہے جس میں یہ لوگ اشنان (غسل) کرتے ہیں۔جس طرح ہم بیت اللہ شریف جاتے ہیں، آبِ زمزم پیتے ہیں اور مدینہ منورہ اور مسجد نبوی جاتے ہیں اسی طرح ہندوؤں کا بڑا مرکز بنارس میں ہے۔دریائے گنگا میں صبح سویرے سب مرد عورتیں برہنہ ہو کر نہاتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ یہ ایسی پاک جگہ ہے کہ یہاں تو گناہ کا خیال ہی نہیں آسکتا نہ ہی کوئی ایک دوسرے کو دیکھتا ہے۔اسی مرکز میں ان کی قدیم کتب ہیں جن میں آنے والے زمانوں کے عجیب وغریب حالات لکھے ہیں۔آپ لوگ حیران ہوں گے کہ وید میں لکھا ہے کہ ایک کالکی اوتار یعنی عالمی نبی آئے گا۔اس کے باپ کا نام وشنو بھگت ہوگا۔وشنو بھگت سنسکرت کا لفظ ہے۔وشنو کا مطلب ہے اللہ اور بھگت کا معنیٰ بندہ یعنی والد کا نام ہوا عبداللہ اور ماں کا نام سومانب ہوگا۔سومانب کا سنسکرت سے مطلب بنتا ہے امن پائی ہوئی عورت یعنی آمنہ۔وہ بجلی کے گھوڑے پر سوار ہوگا اور ساری کائنات کی سیر کرے گا یعنی معراج۔ان کے

پیروکار نیزے، تیر اور برچھے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہ بنارس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کا وید پر پی۔ایچ۔ ڈی کے سلسلے میں تحقیقی کام ہے جس میں یہ حوالہ نکالا ہے اور پھر یہ اخبارات میں شائع ہوا ہے۔اس کے بعد اس پروفیسر نے ہندوستان کے ہندوؤں کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ وہ عالمی پیغمبر جس کے تم اپنی وید کے مطابق آنے کے منتظر ہو تو اب تیروں اور نیزوں والا تو اور کوئی آنے سے رہا۔وہ حضرت محمد ﷺ ہی ہیں۔

قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے لوگوں نے بتا رکھا تھا کہ ان کی کتابوں میں مستقبل کے حالات کے بارے میں پیشنگوئیاں ہیں لہٰذا میں ان کی کتابیں دیکھنے کے لئے بنارس گیا۔انھوں نے کتاب نکالی۔ اس میں مستقبل کے حالات میں ایک جگہ لکھا تھا ایک رشی آئے گا۔رشی بڑے عالم کو بھی کہتے ہیں، کسی بڑے مبلغ اور مصلح کو بھی کہتے ہیں جس سے بہت لوگوں کو فائدہ اور فیض پہنچے۔اس میں حضرت تھانوی صاحبؒ کا نام تھا۔پھر لکھا تھا کہ اس کے بعد طیوب آئے گا۔تو ہندوؤں نے قاری طیب صاحبؒ کا عربی نام اپنی طرز پر دیا ہوا تھا۔ طیوب بھی بڑی شان والا ہوگا اور دنیا کے بڑے سفر کرے گا۔قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک میرے باہر کی دنیا کے زیادہ سفر نہیں ہوئے تھے پر اس کے بعد میں بہت دنیا میں پھرا اور میرے بہت سفر ہوئے۔تو یہ سب کچھ ان کی کتاب میں لکھا تھا۔تو جناب حق حق ہوتا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید کی آیت کہتی ہے **ذالک مثلھم فی التورٰۃ و مثلھم فی الانجیل** یعنی تورات اور انجیل میں پیغمبر ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کا تذکرہ آیا ہے۔حضرت عمر فاروقؓ جب بیت المقدس جانے لگے تو پادریوں نے کہا کہ جب ان کا خلیفہ آئے گا تو ہمیں بتاؤ گے، ہماری کتابوں میں ان کی نشانیاں لکھی ہوئی ہیں۔اگر وہ نشانیاں ان میں ہوئیں تو ہمیں پتہ چل جائے گا۔اب عیسائی برجوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ پہنچے۔سفر کے آخر میں اونٹ پر بیٹھنے کا نمبر غلام کا آگیا اور پیدل چلنے کا نمبر حضرت عمر فاروقؓ کا آگیا۔غلام نے عرض کیا کہ اب ہم شہر میں داخل ہونے والے ہیں اور لوگ دیکھ رہے ہیں تو آپ اونٹ پر بیٹھ جائیں اور میں باگ تھام لوں۔فرمایا یہ تو اپنی اپنی باری ہے، اب اونٹ پر بیٹھنے کی تمہاری باری ہے۔غلام نے بہت اسرار کیا پر وہ اسی طرح روانہ تھے کہ خلیفہ نے رسی تھامی ہوئی ہے اور غلام سوار ہے۔آگے پانی کا ایک نالہ آیا، اس کو پار کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے موزے اتارے اور اپنے شانوں پر ڈال دیئے، تہمد اٹھائی اور پانی میں اتر گئے۔جو پانی میں داخل ہوئے ادھر اوپر بیٹھے پادری نے یہ کہہ کر چیخ لگائی اور بے ہوش ہو گیا کہ **جاء قرنا الحدید۔** یعنی لوہے کا سینگ آگیا۔تورات میں لکھا ہے کہ ایک شخص آئے گا، خادم اس کا اونٹ پر سوار ہوگا اور اس نے رسی تھام رکھی ہوگی، پاؤں سے ننگا ہوگا، تہمد اُٹھا رکھی ہوگی، یہ قرنا الحدید ہوگا۔جب یہ آجائے تو اس کے لئے دروازے کھول دو گے اور چابیاں اس کے

حوالے کر دو گے اور اگر کسی نے اس کا مقابلہ کیا تو تباہ و برباد ہو جائے گا۔ سینگ تو اتنی مضبوط چیز ہے کہ اگر گائے بھینس کے سینگ کو زمین پر رکھیں اور اس کے اوپر سے ٹرک گزاریں تو نہیں ٹوٹتا۔ یہ تو ہڈی کے سینگ کی حالت ہے اور پھر جب یہ لوہے کا ہو جائے تو کیا ہو۔ اس لئے ہماری کتابوں میں اس کو قرنا الحدید لکھا ہوا ہے، لوہے کے سینگ سے تشبیہہ دی ہوئی ہے، کہ جب یہ آئے گا تو اس کے لئے دروازے کھول دو گے اور چابیاں اس کے حوالے کر دو گے اور جو اس کا مقابلہ کرے گا تباہ و برباد ہو جائے گا۔ تو فرمایا **ذالک مثلھم فی التورٰۃ و مثلھم فی الانجیل**۔ ان کے تذکرے تو تورات اور انجیل میں آئے ہوئے ہیں۔ تورات میں اب بھی وہ آیت موجود ہے۔ باب استثناء میں لکھا ہے کہ ''خداوند طور پر چمکا، سعیر (پہاڑ) پر ظاہر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کا لشکر لئے ہوئے آتشین شریعت کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے اترا'' طور سے مراد کوہِ طور ہے یعنی موسیٰؑ کی شریعت۔ دس ہزار قدوسیوں کے لشکر سے مراد فتح مکہ کا واقعہ ہے جس میں لشکر دس ہزار کا تھا۔ مکہ مکرمہ کے چاروں طرف پہاڑ ہیں، کوہِ حرا، کوہِ ثور، اس پہاڑی سلسلے کو سلسلۂ کوہِ فاران کہتے ہیں۔ **بعثت باالملت السھلت البیضاء لیلھا کنھارھا** حدیث شریف میں ہے کہ میں ایک روشن ملت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ تورات میں روشن کو آتشین لکھا ہوا ہے۔ تو ان کے آنے سے پہلے ان کا تذکرہ ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ جہاں دین کا کام ہو رہا ہو یا مستقبل میں ہونا ہو وہاں رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔ پشاور کے مضافات میں ان کا گاؤں ہے لنڈی ارباب۔ ان کی وفات ہوئی تو مشورہ ہوا کہ تدفین کہاں ہو۔ ایک تو سامنے قبرستان تھا اور ایک ان کی اپنی ہی جگہ تھی جس کے ساتھ ملحقہ مسجد بھی تھی۔ حاجی ایوب ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے پشاور کے، بزرگوں کے ساتھ ان کا بہت وقت گزرا تھا، ان کی بہت خدمتیں کیں انھوں نے اور تبلیغی جماعت میں بہت کام کیا ہوا تھا۔ وہ آئے تو انھوں نے مسجد کے عقب میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ حضرت صاحب اس جگہ دفن ہوں گے۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں تو کہا کہ میں نے بڑے عرصے تک ایک مجذوب کو دیکھا ہے کہ آ کر یہاں مراقب ہوتا تھا کہ اس جگہ انوارات کا نزول ہوتا ہے لہٰذا حضرت صاحب یہاں دفن ہوں گے۔ پشاور یونیورسٹی میں بھی ایک قبرستان ہے۔ وہاں ایک پیر تھا جو نماز پڑھتا نہ روزہ رکھتا، قوالی کرواتا تھا، لوگ آتے اور رونا دھونا کرتے اور چھلانگیں لگاتے اور پھر اس کے قدموں میں سر رکھا ہوا ہوتا۔ یہ اس کا سلسلہ تھا اور بہت بڑی گمراہی پھیلا رہا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے قبرستان میں ایک جگہ کی نشاندہی کر دی کہ یہاں پر میرا مزار بنایا جائے۔ سرکاری زمین پر مرنے سے پہلے ہی مزار بنوا لیا اپنے لئے۔ ایک قبر کی جگہ اگر مانگتا اور وہ دے دیتے تو چلو ٹھیک، اس نے تو پورا مزار بنا لیا اور اتنی بڑی

جگہ گھیر لی۔ کچھ لوگ تھے یونیورسٹی میں انھوں نے کہا کہ یہ تو پہلے ہی اتنی بدعات اور گمراہی پھیلا رہا ہے، اب مزار بھی بن گیا، کل کو یہاں پرڈھول باجے بھی شروع ہو گئے تو پھر کیا کریں گے؟ بس چند آدمی گئے اور تعمیر گرادی۔ بعد میں اسی جگی حضرت مولانا صاحب دفن ہوئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پیر کو کشف ہوتا تھا۔ کشف کوئی بزرگی کی علامت تو ہے نہیں، اہلِ باطل کو بھی ہوتا ہے، کفار کو بھی ہوتا ہے۔ اس نے کشفاً یہ انوارات والی جگہ معلوم کر لی تھی لیکن خود چونکہ اہلِ باطل میں سے تھا اس لئے اس کی جگہ یہاں نہیں تھی۔ وہ تو جس نے وہاں آنا تھا اس کے انوارات نظر آ رہے تھے۔ تو یہ سب ان محلات کا تذکرہ تھا جہاں دین کا کام ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے اصلاحِ نفس کے لئے دین کے شعبے بیان کئے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشرت، یہ پانچ شعبے ہیں۔ تصوف صرف ذکر اذکار کے نصاب پورا کرنے کا نام نہیں ہے کہ نقشبندیہ کے یہ اسباق ہیں، یہ میں پورے کرلوں، قادریہ کے یہ اسباق ہیں، یہ میں پورے کرلوں، تصوف مکمل دین کا نام ہے۔ پورا دین اس کا موضوع ہے۔ عقائد سے لے کر معاشرت تک پورے کا پورا دین اس کا موضوع ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی مجلس میں ایک دفعہ ایک شخص آیا، بہت ذاکر شاغل تھا اور اس کو کشف بھی ہوتا تھا پر ہمارے حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ذاکر شاغل تو ہے لیکن اس کی اصلاح نہیں ہوئی۔ پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ جب کوئی دوسرا بات کر رہا ہوتا تو اس کی بات کاٹتا ہے۔ آداب یہ ہیں کہ جب کوئی بات کر رہا ہو تو آپ تب بات کریں گے جب وہ اپنی بات مکمل کر لے۔ جب آپ دوسرے کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دیں تو اُس کا دل آپ سے برا ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ عمل آدابِ معاشرت کے خلاف ہے۔ چونکہ اس کی آدابِ معاشرت کی تربیت نہیں ہوئی لہٰذا یہ کاملین کے ہاتھوں سے نہیں گزرا۔ تو دین کے پانچوں شعبے تصوف کا موضوع ہیں۔ اور ان پانچوں شعبوں کا باطن میں انتہائی کمال کے ساتھ استحضار، یعنی ان کی طرف دھیان ہونا اور پھر انتہائی کمال کے ساتھ ان کا عمل سے ظاہر ہونا تصوف کا حاصل ہے۔ من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین ۔ یہ چار درجے جو بیان ہوئے ہیں، صالحین، شہداء، صدیقین اور انبیاء۔ وہی عمل ہے جو نبی بھی کر رہا ہوگا، صدیق بھی کر رہا ہوگا، شہید بھی کر رہا ہوگا، وہی عمل صالح بھی کر رہا ہوگا، لیکن چاروں کے درجے الگ الگ ہیں۔ جب عمل سنت کے مطابق ہو جائے اور اس میں ظاہری ریا نہ رہے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو یہ صالحین کا عمل ہو گیا۔ شہید اور صدیق میں تھوڑا فرق ہے۔ عام طور سے ہم شہید اُسے کہتے ہیں کہ اسلام کی خاطر میدان جنگ میں اترا ہو اور جان قربان کی ہو۔ وہ بھی شہید ہے۔ مفتی شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ اس جگہ شہداء سے مراد اولیاء اللہ کا وہ گروہ ہے جن کا مشاہدہ ہوتا ہے لیکن مشاہدۂ بعیدہ (دور کا مشاہدہ)،

صدیقین سے مراد وہ اولیاء اللہ ہیں جن کا مشاہدہ قریبہ ہو اور انبیاء کا مشاہدہ عینی ہوتا ہے۔تصوف کا مطالبہ یہ ہے کہ ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ تصوف آپ کو مشاہدے والے مقام تک پہنچانا چاہتا ہے۔کہ جب تو کام کرے تو ایسی کیفیت ہو جیسے تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔

بندہ کے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے کہ لیلیٰ مجنوں والا قصہ ۶۰ھ میں گزرا ہے۔ مجنوں ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا اور اس کا نام قیس عامری تھا۔حضرت امام حسینؓ کے زمانے میں یہ موجود تھا۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ کربلا کے صحرا سے گزر رہا تھا تو یہ وہاں بے ہوش پڑا تھا۔اس قافلے میں ایک اونٹنی کا نام لیلیٰ تھا۔اس کے سوار نے اپنی اونٹنی کو آواز دی۔جوں یہ آواز مجنوں کے کان میں پڑی تو اس کے ہوش وحواس بحال ہو گئے اور وہ اُٹھ بیٹھا اور بولا ''لیلیٰ! میری لیلیٰ! کہاں ہے میری لیلیٰ!'' لیلیٰ اس کے چچا کی بیٹی تھی۔عربوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کے عشق معاشقے کی بات ظاہر ہو جاتی اور لوگوں میں اس کا چرچا ہو جاتا تو پھر اسے رشتہ نہیں دیتے تھے۔تو مجنوں پر بھی پابندی تھی کہ لیلیٰ کو نہیں دیکھ سکے گا۔اس کا جی گھل رہا تھا کہ اب تو مر رہا ہوں بس کسی طرح لیلیٰ کا دیدار ہو جائے۔یہ چلا گیا لیلیٰ کو دیکھنے۔پر کیسے دیکھے۔کسی نے کہا کہ بھکاری بن کر جاؤ۔ہمارے علاقے کی پشتو میں اسے 'خیرونڈ' کہتے ہیں، جو گھر گھر آواز لگا رہے ہوتے ہیں 'خیر دے دو اللہ کے نام پر'، جس طرح مدرسے کے طالب علم پہلے آیا کرتے دروازے پر اور کہتے ''وظیفہ دے دو''۔ہمارے بچپن میں گاؤں میں ایک تو خیر مانگنے والا آیا کرتا، وظیفے مانگنے والے طالب علم ہوتے، اور ایک 'چھڑ' مانگنے والا ہوتا۔چھڑ مانگنے والا علاقے کا ایک معزز شخص ہوتا۔چونکہ ہوٹلوں کا زمانہ تھا نہیں تو مسجد میں جس دن مہمان زیادہ ہو جاتے اور ایک آدمی اپنے گھر سے کھانا پورا نہ کر پاتا تو وہ گاؤں میں پھر کر آواز لگاتا اور چھڑ جمع کرتا۔لوگ بھی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے جو اضافی کھانا ہوتا نکال دیتے اور نہ بھی ہوتا تو خود سوکھی روٹی کھا لیتے اور کھانا اس معزز آدمی کو مہمانوں کے لئے چھڑ میں دے دیتے۔اور اس طرح بھی ہوتا کہ محلے کا کوئی غریب آدمی فاقے یا تکلیف سے ہوتا اور اس کا کوئی اور بندوبست نہ ہوتا تو اسی طرح ایک معزز شخص گاؤں میں پھر کر اس کے لئے چھڑ جمع کرتا۔مجھے اپنے گاؤں کا 'عجب کاکا' ابھی بھی یاد ہے کہ بالٹی لے کر نکلتا اور سارے گاؤں سے آٹا جمع کر کے جس کے گھر فاقہ ہوتا اس کو پہنچا دیتا۔مجنوں کو بھی کسی نے مشورہ دیا کہ خیرونڈ بن کر جاؤ کیونکہ خیر لیلیٰ خود نکالا کرتی ہے تو تمہیں اس کا دیدار ہو جائے گا۔اس نے پوچھا کہ کیا مانگوں کہ جس میں وقت بھی زیادہ مل جائے۔آپ تو ماچس کے دور والے لوگ ہیں۔ہم نے پہلا زمانہ دیکھا ہے جب کہ ایک دوسرے کے گھر سے آگ لینے جایا کرتے تھے۔گھر آ کر اس پر کاغذ اور کپڑے وغیرہ رکھ کر پھونکیں مارتے تو آگ جل اُٹھتی۔ایک سفید پتھر ہوتا تھا اس کو رگڑتے تو اس سے بھی

آگ جل اُٹھتی تھی۔ میں نے ایک دفعہ گاؤں سے وہ پتھر لا کر بچوں کو دکھایا کہ ہمارے بڑے ماچس سے پہلے کے زمانے میں اس سے آگ جلایا کرتے تھے تو وہ حیران ہو گئے۔ مجنوں کو بھی کسی نے کہا کہ تم آگ مانگنا، اس میں وقت زیادہ لگے گا اور تم ذرا زیادہ دیدار کر لو گے۔ یہ گیا لیلیٰ کے دروازے پر آگ مانگنے۔ جب وہ آگ لے کر نکلی اور اسے تھمانے لگی تو، عربوں کے کرتے کی آستینیں چونکہ بہت لمبی ہوا کرتی تھیں، مجنوں کی آستین نے آگ پکڑ لی۔ لیلیٰ فوراً بول اُٹھی کہ آگ لگ گئی، آگ لگ گئی، تمہارے بازو کو آگ لگ گئی! مجنوں نے حسرت سے جواب دیا: ''دل میں جو آگ لگی ہے وہ تو تمہیں نظر ہی نہیں آ رہی۔'' جس کے دل میں آگ لگی ہوئی ہوا سے اس آستین والی آگ کا کیا پتہ چلتا ہے۔

جب سے تمہیں دیکھا ہے جب سے تمہیں پایا ہے
کچھ ہوش نہیں مجھ کو، اک نشہ سا چھایا ہے

دل میں جو آگ لگی ہے اس کا تو تمہیں احساس نہیں ہے، اور اس آگ سے میں بے پرواہوں۔

ولایت کا دروازہ تو دھیان اور یادداشت سے ہی کھل جاتا ہے۔ جب یہ دھیان حاصل ہو گیا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو ولایت کا پہلا قدم ہو جاتا ہے۔ جب سالک اس جگہ تک پہنچ گیا کہ اسے یہ دھیان حاصل ہو گیا کہ اللہ مجھے ہر جگہ دیکھ رہا ہے، مسجد میں دیکھ رہا ہے، دوکان میں دیکھ رہا ہے، تولتے ہوئے دیکھ رہا ہے، بولتے ہوئے دیکھ رہا ہے، ہر جگہ جب یہ احساس اور دھیان شروع ہو جائے تو اس کے قدم ولایت کے دروازے سے داخل ہو گئے۔ اب یہ آگے ترقی کرے گا۔ تو پہلی چیز دھیان ہے اس کے بعد مشاہدہ ہے اور مشاہدے کے ساتھ چاہت و محبت کا جذبہ ہے جو دل کو ذاتِ ذوالجلال کی طرف کھینچتا ہے۔ مشاہدۂ بعیدہ شہداء کا ہوتا ہے، مشاہدۂ قریبہ صدیقین کا ہوتا ہے اور پھر مشاہدۂ عینی ہے جس میں کوئی کمی نہیں رہ جاتی، یہ انبیاء کا ہوتا ہے۔ سچ بات ہے کہ ہم ذرا نماز کی پابندی کر لیں اور اشراق تک بیٹھنا شروع کر دیں یا تہجد پڑھنا شروع کر دیں بس پھر کسی کو بھی اپنی دُم کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے، اس قدر ہم میں مستی اور کبر آ جاتا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ملفوظ ہے کہ گناہ پر استغفار نیکی پر اسکتبار سے افضل ہے۔ انسان سے گناہ ہو جائے تو ٹوٹ پھوٹ جائے اور کہے کہ یا اللہ مجھ سے تو بڑا گناہ ہو گیا، مجھے معاف کر دے تو یہ اس شخص سے افضل ہے کہ اس نے تہجد پڑھی اور سر اٹھا کر گردن ٹیڑھی کی اور خیال کیا کہ میں بزرگ ہوں اور میں عالم ہوں اور میں اہلِ تصوف ہوں اور میں تہجد گزار ہوں۔

اسلام آباد میں علماء کا ایک سرکاری اجتماع تھا۔ اس میں بہت سے توحیدی بھی مدعو تھے۔ مجھے کہا گیا کہ بیان آپ کریں گے۔ میں نے بیان کیا کہ قبروں سے مانگنا اور سوال کرنا یہ سب تو شرک ہے اور اسے چھوڑنا

چاہئے اور خالص توحید کو اپنانا چاہئے، یہ تو بہت ہی ضروری اور بنیادی بات ہے، اس سے تو کسی کا انکار نہیں ہے۔ اصل توحید کسے کہتے ہیں؟ سعید بن جبیرؓ کو جب حجاج بن یوسف نے اپنے دربار میں کھڑا کیا اور جلاد سے کہا کہ تلوار نکال کر لہراؤ، پھر انھیں ڈرایا دھمکایا تاکہ وہ معافی مانگ لیں تو یہ چرچا ہو جائے گا کہ بڑے بڑے علماء بھی جو کہ حجاج کو گمراہ سمجھتے تھے اس کے زیر اثر آ گئے۔ جب بہت کوشش کر لی پر کوئی فائدہ نہ ہوا تو حجاج نے کہا کہ میں تو تمہارا سر اتارنے والا ہوں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے جواب دیا کہ اگر میں تمہیں اپنی زندگی اور موت کا مالک سمجھتا تو تمہیں اپنا معبود نہ بنا لیتا! یہ سن کر حجاج کو غصہ آ گیا۔ جلاد نے تلوار چلائی اور ان کا سر دور جا گرا اور خون کا ایک فوارا پھوٹ پڑا۔ حجاج نے شاہی طبیب سے پوچھا کہ ہم نے اتنے قتل کئے پر ان میں تو خون ہی نہیں ہوتا، اس سے اتنا خون کیوں بہہ رہا ہے؟ طبیب نے کہا کہ دراصل ان کے دل پر آپ اور آپ کی تلوار کا ذرہ برابر خوف نہیں تھا۔ جب غیر اللہ کا خوف، غیر اللہ کا شوق، غیر اللہ کا رعب، غیر اللہ کی حیثیت، حکومتوں کا دبدبہ، اسلحوں کی دہشت اور وحشت اور مال و دولت کی چکا چوند، یہ سب چیزیں تیرے آگے خاک اور راکھ ہو جائیں تو اس وقت انسان پر توحید کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہ صرف قبروں کے بارے میں بیان بازی کرنا اور حیات کے انکار کرنا اور اس طرح سے توحید بیان کرنا محض اتنی سی بات نہیں ہے۔ توحید صرف اتنی بات نہیں جتنی تم سمجھ پا رہے ہو۔ اس سے آگے بڑی گہری باتیں ہیں اس میں۔

ہندوستان کا ایک بادشاہ سلطان محمد تغلق گزرا ہے جو کہ عالم بھی تھا اور اتنا خوفِ خدا والا انسان تھا کہ اس نے اتحاد بین المسلمین کی خاطر ترکی کے خلیفہ کی طرف ایک آدمی تحفے تحائف سمیت یہ پیغام دے کر بھیجا کہ پوری دنیائے اسلام کے خلیفہ آپ ہیں اور میں آپ کا ماتحت ہوں۔ میری طرف سے علامت کے طور پر یہ تحفے قبول کریں۔ جواب میں انھوں نے تغلق کو ایک تلوار بھیجی اور کہا کہ آپ کی بات ہمیں قبول ہے اور ہندوستان میں آپ ہمارے نمائندہ ہیں۔ اسے خدا نے اتنا رعب و دبدبہ دیا تھا کہ جو بھی اس کے دربار میں آتا اس پر لرزا طاری ہو جاتا۔ ایک بزرگ تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور چل پڑے دربار کو۔ کہ ذرا دیکھیں تو کیسا دبدبہ ہے۔ وہ دربار کے قریب پہنچے تو بیٹے پر لرزا طاری ہو گیا اور وہ کانپنے لگا۔ اتنا رعب تو بادشاہ کا دربار سے باہر تھا۔ بزرگوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ پھر وہ دربار میں داخل ہوئے اور جوں تخت کے نزدیک ہوئے تو ان اللہ والوں نے محمد تغلق سے بآواز بلند کہا السلام علیکم۔ ان کا سلام سنتے ہی تخت پر بیٹھے بادشاہ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مولانا روم نے فرمایا ہے:

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست

ہیبتِ ایں از مردِ صاحبِ دلق نیست

یہ حق کی ہیبت ہے، اس گدڑی پوش فقیر کی ہیبت نہیں، یہ اللہ کی ہیبت ہے جو بادشاہ پر بھی طاری ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں نے کہا کہ شیر آ گیا ہے اور اس نے راستہ روک رکھا ہے، ہمیں بڑی تکلیف ہے جانے کا رستہ نہیں ہے۔ آپؓ تشریف لے گئے اور شیر سے مخاطب ہو کر کہا: ''جس کو کھانے کے لئے مقرر ہوئے ہو آگے بڑھ کر اس کو کھا لو اگر اس میں تمہارا رزق ہے، اور اگر کوئی نہیں تو پھر ویسے لوگوں کو کیوں تنگ کرتے ہو، رستہ چھوڑ دو۔'' یہ کہا اور ساتھ ہی ایک تھپڑ اس کے کان پر دے مارا۔ شیر نے سر جھکایا اور رستہ چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے

ہر چہ از حق ترسد و تقویٰ گزید

ترسد از وجن وانس و ہر کہ دید

جو اللہ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا اسے جن، انسان اور جو کوئی بھی دیکھے اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اب تو مولوی صاحبان فارسی سے فارغ ہی ہو گئے۔ وفاق المدارس نے بھی خوب کوشش کر کے اسے نصاب سے نکال دیا۔ معارفِ رومی، فراستِ سعدی اور سوز و گدازِ حافظ شیرازی سے محروم کر دیا آپ کو۔ یہ گلستانِ سعدی کی ایک حکایت ہے جس کا شعر میں نے آپ کو سنایا۔

ایک توحید معلوماتی ہے اور ایک تحصیلی ہے۔ اپنے کتابچے 'اصلاحِ نفس' میں ایک عام آدمی کے طور پر اپنے سمجھنے کے لئے میں نے یہ دو اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ معلوماتی توحید یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو، اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ مانو، اس کی طرح کسی کی عبادت نہ کرو، توحیدِ ذاتی، توحیدِ صفاتی، توحیدِ افعالی، یہ سب تو معلوماتی توحید ہے۔ تحصیلی توحید یہ ہے کہ تیرے دل سے غیر اللہ کا خوف، شوق، محبت، ڈر نکل جائے اور تیرے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت، تعلق اور اس کی نسبت پیدا ہو جائے۔ یہ تو جب انسان مجاہدات پہ مجاہدات کرتا ہے تب کہیں جا کر یہ چیزیں انسان کے دل میں جڑ پکڑتی ہیں۔ اس میں بہت وقت لگتا ہے۔ اسی لئے محققین مشائخ اپنے مرید کی پہلے توحید پکی کرتے ہیں۔ یہ تو عقائد میں سے توحید کا بیان ہو گیا۔ پھر عقائد کی پوری فہرست ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبیداللہ صاحب سے میں نے ایک کتاب لکھوائی۔ لوگ حج کرتے ہیں، عمرے کرتے ہیں، ڈاڑھیاں رکھ لیتے ہیں، عمامے باندھ لیتے ہیں اور بجلی چوری کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ میں چاروں طرف دیکھ رہا ہوں۔ اب یہ بات کہنی کی نہیں پر تبلیغ والوں کی چونکہ تعریفیں بھی بہت کر لیں تو اب کچھ تنقید کے نشتر بھی چلا لوں۔ پھر یہ لوگ

سمجھتے ہیں کہ میں تبلیغ کا مخالف ہوں۔اتنی ثنا بیان کی میں نے ان کی، اسے نہیں دیکھتے اور ایک تنقید پر کہتے ہیں کہ ہمارے کام کا مخالف ہے۔ میں نے پشاور سے ذرا باہر گھر اور خانقاہ بنائی ہے۔گاؤں کا ماحول ہے۔ ہمارے محلے والے کہتے ہیں کہ یہاں کے تبلیغ کے امیر صاحبان کی بجلی چوری کی ہے۔ ہمیں کہتے ہیں کہ آؤ ہماری بات سنو تو ہم کہتے ہیں کہ ہم آپ کی بات کیا سنیں، آپ کی تو اپنی بجلی ہی چوری کی ہے۔ کہتے ہیں دفعہ کرو اس مسئلے کو جانے دو، بس ہماری بات سنو۔ یہ تو توحید اور ایمان کی بات ہے۔ ہمارے صوابی کے مدرسے کا مہتمم ہے مولوی امین صاحب، ایک دفعہ میں نے اس سے پوچھا کہ توحید کسے کہتے ہیں اور ایمان کسے کہتے ہیں؟ تو وہ گڑبڑا گیا۔ کہتا ہے توحید توحید ہے اور ایمان ایمان ہے بس۔ میں نے کہا کہ یہ تو ایک علمی بحث ہے، اب اس پر دلائل دو۔ وہ چپ رہا۔ میں نے کہا چلو ویسے بھی مہینے بعد آیا کرتے ہو تو اس مہینے کتابیں دیکھو جا کر پھر اگلی بار آئے تو مجھے بتانا کہ توحید کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ سلسلے میں بیعت مرید ہے تو بتا ہی دو۔ توحید ذاتی، صفاتی، افعالی، اللہ کو ایک ماننا، اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ ماننا، عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ کرنا، یہ توحید ہے اور یہ ایمان کا اعظم ستون ہے۔ پھر اس کے علاوہ کچھ اجزائے ایمان ہیں اور کچھ ایمانی اعمال ہیں۔ دیانت، امانت، صداقت، حیاء، طہارت، یہ اجزائے ایمانی ہیں۔ کسی کو شطر الایمان کہا گیا، کسی کو جزو الایمان کہا گیا، کسی کو نصف الایمان کہا گیا، یہ سب اجزائے ایمانی ہیں۔ جب اجزائے ایمانی ٹھیک نہ ہوں تو انسان حج عمرے کر لے، ڈاڑھی ناف تک لمبی کر لے، ساری رات تہجد پڑھے، سارا دن روزہ رکھے، اس کا کوئی فرض، واجب، سنت عمل بھی خدا کے دربار میں قبول نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس اعمالِ ایمانی تو ہیں اجزائے ایمانی نہیں۔ یہ کل انتالیس (۳۹) اجزاء ہیں جن پر میں نے کتاب لکھوائی ہے۔ اس نے حج کر لیا پر قبول نہیں ہے کیونکہ یہاں بجلی چوری کر رہا ہے، عمرہ کر لیا بلکہ پورے خاندان کو لے گیا کہ مال بہت کما لیا تھا، پر قبول نہیں ہے کیونکہ دکان میں جھوٹ بولتا ہے، اس میں تو صداقت ہی نہیں ہے اس کا عمل قبول نہیں، افسر ہے اور ایک کا حق دوسرے کو دے رہا ہے تو اس کا عمل قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں دیانت نہیں ہے، یہ اجزائے ایمانی ہیں۔ اجزائے ایمانی ناقص ہوں تو آدمی کا ایمان ناقص ہوتا ہے۔ اس کے سارے مراقبے چلّے اور اعمال حباً منثورا ہو گئے، یہ ضائع ہو گئے، اُڑ گئے، گرد بن گئے، کچھ بھی نہ رہے۔ یہ بڑی سمجھنے کی بات ہے۔

ایک دوسرا واقعہ بھی اسی ضمن کا یاد آ گیا پر پھر گلہ ہو گا کہ اعتراض کرتا ہے۔ میرا ایک مرید ہے جو کہ ایک محکمے میں افسر ہے۔ کہتا ہے کہ جب دفتر میں کوئی انٹرویو بھرتیاں (Appointments) وغیرہ ہوتی ہیں تو میں اس میں نہیں بیٹھتا کیونکہ وہ ظلم اور ناحق کرتے ہیں، ایک کا حق دوسرے کو دیتے ہیں، اس میں اگر میں بیٹھتا ہوں تو پھر

ایسے ہی جھگڑا بنتا ہے۔ایک دفعہ میرے ڈسٹرکٹ انچارج نے کہا کہ ایک ٹیسٹ لینا ہے،اس کی تم نگرانی کرو، پھر اس سے ہم لوگ بھرتی کریں گے۔ میں چلا گیا،لوگوں کو بٹھایا اور ٹیسٹ شروع کرایا۔ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا ایک امیدوار اٹھا اور مجھے پرچہ پکڑا دیا کہ یہ لو ہو گیا۔ میں نے جو پرچہ لے کر دیکھا تو وہ ایسا مکمل اور اعلیٰ حل شدہ تھا کہ ایسا کم از کم آدھے گھنٹے میں تو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ میں نے اسے روکا کہ مجھے آپ کی تلاشی لینی ہے۔دیکھا تو جو پرچہ اسے میں نے دیا تھا حل کرنے کے لئے وہ تو اس کے امتحانی گتے کے اندر دھرا ہے۔دراصل اس کے پاس پہلے سے حل شدہ پرچہ تھا۔ میں نے اس سے پرچہ لے لیا اور اس سے پوچھا کہ تمھیں کس نے دیا ہے؟ پتہ چلا کہ ادارے کا جو سربراہ تھا اس کے پی۔اے یعنی سیکرٹری نے دیا تھا۔وہ دونوں آدمی بھی آ پھرے کہ کوئی منت سماجت وغیرہ کریں، کچھ کہہ سن کر اپنے آدمی کو بچا لیں۔ میں نے کہہ دیا کہ جناب میں نے خود یہ نقل پکڑی ہے اب میں اسے نہیں چھوڑ سکتا لہٰذا میں نے تو اس پر لکھ دیا Found Copying یعنی نقل کرتے ہوئے پکڑا گیا۔وہ تو چلے گئے پھر تھوڑی دیر بعد مجھے فون لا کر تھمایا کہ یہ تمہارے لئے ٹیلیفون آیا ہے۔ میں نے فون اُٹھایا تو دوسری طرف سے کسی نے کہا کہ میں گورنر ہاؤس سے فلاں ایڈیشنل سیکرٹری بات کر رہا ہوں اور یہ ہمارا آدمی ہے جو تمہارے پاس ٹیسٹ دے رہا ہے اور اس کو پاس کرنا ہے تاکہ بھرتی ہو جائے،اب اس کا کیا ہوگا۔ میرا سر چکرایا کہ یہ تو بات گورنر ہاؤس تک پہنچ گئی اور میں ایک ۷ اگریڈ کا افسر،اب کیا کروں گا۔ پہلے تو میں کچھ گڑبڑا گیا پھر سلسلہ میری آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ جناب میں نے تو لکھ دیا ہے اس پر،اب آپ جو کر سکتے ہیں کر لیں۔اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی پر یہ پرچہ دیا کس نے تھا؟ یہ پرچہ اس ادارے کے سربراہ کے سیکرٹری نے دیا تھا جو کہ ایک جگہ کے مرکز کی شوریٰ کے رکن اور باہر ملکوں کے سفر کئے ہوئے بزرگ تھا۔تو ایمان ایک جدا چیز ہے۔ یہ تیری میری پیری مریدی اپنی جگہ پر۔کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہنا،ایمان ایک جدا چیز ہے۔ یہ تیرے میرے حج عمرے، یہ باہر ملکوں کے سفر، یہ تہجد اپنی جگہ،لیکن ایمان ایک جدا چیز ہے۔اس لئے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہنا۔ شاید وہ اس بددیانتی سے اس آدمی کے ساتھ جوڑ پیدا کر رہا ہو کہ پھر ایک آدمی تبلیغی جماعت میں وقت دے دے گا پھر اسے وصول کریں گے اور یوں تحریک میں ایک آدمی کا اضافہ ہو جائے گا۔ہائے ہماری بیوقوفی کی ہم اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ محکمہ اس پورے ٹیسٹ کو منسوخ کر کے نئے سرے سے کر رہا ہے۔ میں نے انھیں بتایا کہ ملک کا ایک قانون ہے اور اس کے مطابق ایک چلا ہوا عمل Revert (واپس) نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر یہ اس کے خلاف عدالت چلے جائیں تو جیت جائیں گے۔خدا کی شان کہ عدالت سے حقدار نے اپنی نشست جیت لی۔

حجرِ اسود کے سامنے ساری رات کھڑے ہوکر تہجد پڑھنا بہت مشکل ہے میرے بھائی! اس سے کمر میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پر اس سے زیادہ مشکل اپنے محکمے میں حق پر قائم رہنا ہے، اور جو اس جگہ حق پر کھڑا ہے تو تہجد گزار اور میرے جیسا مولوی اور دورۂ حدیث والا اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ اس کا ایمان کا اک حال ہے اور وہ عروج پر ہے۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہوتی، اس کے لئے تو آتے جاتے آتے جاتے رہو گے تو کچھ حاصل ہوگا، جیسے کہ خیبر میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کے بعد بندہ آتا جاتا ہے پانچ سال تک، پڑھائیاں کرتا ہے، ٹیسٹ دیتا ہے، امتحان دیتا ہے، پھر عملی ٹریننگ کرتا ہے یہاں تک کہ چھٹے سال بعد جا کر اس قابل ہوتا ہے کہ پھر انجکشن لگا سکتا ہے۔

صوفی نہ شود صافی تا درنہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

صوفی اس وقت تک صاف نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت کا جام نہ پی لے۔ یہ بہت طویل سفر ہے، اُس کے بعد کہیں جا کر کچی چیز پکی ہوتی ہے۔

محبت اور چاہت والی بات نامکمل رہ گئی۔ واقعی جہاں دل لگ گیا، جس کو دل دے دیا، بس یہ تو اسی کا ہو گیا۔ اس کی بات ماننا، اس کے لئے مشکلات برداشت کرنا، قربانیاں دینا بلکہ جان تک لٹا دینا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ یہ محبت تو دل میں ایک آگ جلا کے چھوڑ دیتی ہے جس کے نتیجے میں اندر سے آہ و بکا اور ہوک کی کیفیت اٹھتی ہے۔ احیاء العلوم میں اس سوز و گداز اور گریہ وزاری کے عجیب تذکرے موجود ہیں جن کے پڑھنے میں اتنا لطف ہے تو ان کے کرنے والوں نے کیا مزے لُوٹے ہوں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام اور امت کے تابعین اور تبع تابعین کے دور کے لوگوں کی قربانیاں اور خوشی خوشی جانیں قربان کرنے کے واقعات اس کا عملی ثبوت ہیں۔ یہ کیفیتِ محبت جب سوز و گداز، رونے دھونے، گریہ وصیحہ کی شکل میں ہوں تو محبتِ طبعی کہلاتے ہیں۔ اس محبتِ طبعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکموں کا مکمل لحاظ اور شریعت کا مکمل اتباع ہو تو یہ محبتِ طبعی محبتِ شرعی ہے۔ ورنہ نری کیفیت ہے۔ اگر یہ محبت ان کیفیات کے ساتھ محسوس نہ ہوتی ہو لیکن سالک (اللہ کی طرف راہ چلنے والا) اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تابعداری اور اتباع میں انتہائی محتاط ہو جائے تو یہ محبتِ عقلی ہے۔ یہ محبتِ عقلی بھی محبتِ طبعی جس میں اتباع ہو کی طرح ہے اور اس کے ہم پلہ ہے۔ پہلے بزرگوں نے مثال بیان کی ہے کہ پانی کی ایک طلب پیاسے کو ہے جسے وہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور گرمی میں ٹھنڈا پانی ملنے پر اس سے خوب لطف اٹھاتا ہے۔ اسی طرح پانی کی ایک محبت زمیندار اور کسان کو فصل کے لئے ہوتی ہے جسے پیاس کی کیفیت کی طرح اپنے اندر محسوس

نہیں کرتا۔ایسے ہی بارش برس کر جب فصل سیراب ہو جائے تو ٹھنڈے پانی کے پینے کی طرح راحت بھی محسوس نہیں کرتا۔ البتہ ایک عقلی خوشی کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔لیکن پانی کی یہ عقلی محبت اور چاہت اور عقلی خوشی طبعی کیفیت سے کسی صورت میں کم نہیں۔مشاہدہ والے سالک کو محبتِ طبعی، محبتِ عقلی اور محبتِ شرعی کی کیفیتوں سے ہمکنار کرنا تصوف کی اونچی منزلیں ہیں۔

آگے تو ایک ذاتِ واحد کا خیال اور دھیان وجود اور موجودگی ہی اندر کا دھیان ہو جاتا ہے۔ساری موجودات جو نظر آ رہی ہیں اسی ذاتِ واحد کی قدرت وصنّاعی اور امرِ کُن کا پرَتو نظر آتا ہے۔اس مقام پر بعضے سالک منصور حلاّج کی طرح گم ہو جاتا ہے جو کہ تصوف کا ایک حادثہ ہے جبکہ پار ہو جانے والا سالک ہر غیر سے فارغ ہو کر اللہ کی ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ گہری وابستگی حاصل کر لیتا ہے۔اس کے بعد اس کے سامنے مال و دولت، عزت وشوکت، اسلحے وقوت، شاہ وسپاہ، ہر شے کی حیثیت پرِ کاہ (تنکا) جیسی ہو جاتی ہے۔

ے　باقی 'انا' کا ہوش ابھی 'حق' کے ساتھ ہے
ہے بے خودی تمام ابھی منصور کی نہیں

ے　ہُو میں اتنا کمال پیدا کر
کہ جز ہُو کے تو نہ رہے
تیری ہستی کا رنگ وبو نہ رہے

اس محنت کے لئے کمر باندھنا ہو گی۔ہم تو آج اس نیت سے حاضر ہوئے تھے کہ آپ کے ختم اور اعمال میں شامل ہو جائیں گے اور آخر میں اپنے اس کتابچے سے میں پانچ منٹ کا ایک مضمون پڑھ لوں گا، زیادہ بات کرنے کی ہمت ہی نہیں پا رہا تھا۔یہ آپ لوگوں کی فکر اور برکت تھی کہ اتنی بات ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

سلسلے کا سالانہ اجتماع انشاءاللہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ جون ۲۰۱۴ء بروز ہفتہ، اتوار، پیر شِرِ ینگل دیر میں منعقد ہو گا۔روانگی بروز ہفتہ صبح ۶ بجے خانقاہ سے ہو گی۔

برائے رابطہ 0332 193 8443, 0313 955 1030, 0333 926 2543, 0333 922 6345

ھائے پیسہ وائے پیسہ۔ فنا فی المال

(ایسوسیٹ پروفیسر ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

ہمارے حضرت صاحب دامت برکاتہٗ نے اپنے ایک بیان میں ایک بزرگ کا قصہ سنایا کہ وہ پیسے لیتا اور حضور ﷺ کی زیارت کراتا۔ اس بزرگ کی رہائش سادہ سی تھی، رہن سہن سادہ۔ باوجود پیسے لینے کے اپنے لئے کوئی بنگلہ کوٹھی نہیں بنائی، کوئی گاڑی نہیں لی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ پیسے لے کر کیا کرتے ہیں تو وہ جواب میں فرماتے کہ غرباء کا حق ان تک پہنچا دیتا ہوں۔ یہ امیر لوگ زکوٰۃ و خیرات نہیں دیتے۔ ان سے ان مساکین کا حق لے کر ان کے حوالے کرتا ہوں۔ چونکہ پیسے میں ان لوگوں کی جان ہوتی ہے اس لئے ان سے پیسے لینے کی فرمائش کرتا ہوں تاکہ ان کا دل اندر سے دکھے۔ جب کسی چیز سے کسی کو محبت ہوتی ہے اور وہ جب لی جائے تو انسان کو قلب میں دکھ محسوس ہوتا ہے۔ اس دکھے دل کے لئے دعا کرتا ہوں تو اللہ پاک اپنے فضل سے انہیں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرا دیتے ہیں۔ ان بزرگ کی گھر والی نے بھی سن رکھا تھا کہ یہ زیارت پیسے لے کر کراتے ہیں۔ ایک دن اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے بھی حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرادو۔ اگر بیوی سے پیسے لیتے تو خاص فرق نہیں پڑ رہا تھا کیونکہ بیوی کی جیب سے نکل کر خاوند کی جیب میں چلے گئے۔ اس لئے اس عمل سے دل پر وہ کیفیت نہیں طاری ہو رہی تھی جس میں زیارت ہو۔ چنانچہ بیوی سے کہا کہ آپ کو بغیر پیسے کے کیسے زیارت ہو سکتی ہے لیکن چلو پہلے دن کی دلہن بن کر دکھاؤ تو زیارت ہو جائے گی۔ زیارت کے شوق میں وہ اس بات پر تیار ہوگئی۔ اِس بڑھاپے میں جب وہ بن ٹھن کر تیار ہو کر بیٹھ گئی تو بزرگ نے اس کے بھائی سے رابطہ کیا کہ ذرا ہمارے گھر آجاؤ اور اپنی بہن کو دیکھو کہ اس عمر میں کیا نخرے کر رہی ہے۔ یہ بیچاری اپنے گھر میں دلہن بن کر بیٹھی تھی، وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اوپر سے بھائی آجائے گا۔ بھائی آیا، دونوں بھائی بہن کی نظریں ٹکرائیں تو یہ اللہ کی بندی حد سے زیادہ شرمندہ ہوئی اور اندر سے نفس کی ذلت کا اتنا احساس ہوا کہ پسینے سے شرابور ہوگئی۔ جب انسان کا نفس ٹوٹتا ہے اور اپنے اندر اپنی ذلت کا پستی کا احساس جاگزین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا نور اس قلب میں داخل فرماتا ہے۔ اس عورت کو اس احساس کے دوران غنودگی طاری ہوئی اور اپنے رسولِ مقبول ﷺ کی زیارت نصیب ہوگئی۔

ایک دوسرا واقعہ بھی حضرت صاحب نے ہی سنایا کہ ایک بزرگ لوگوں کو دم کرتے اور تعویذ دیتے۔ اس دم اور تعویذ کے وہ پیسے لیتے۔ ان پیسوں کو وہ غرباء میں تقسیم فرماتے۔ ان کے پاس بھی گاڑیاں، کوٹھیاں نہیں

تھیں۔ حالانکہ ایک ایک تعویذ کے دس دس ہزار روپے لیتے۔ ایک دن ایک حکومتی وزیران کے پاس آیا، ڈرتے ڈرتے قریب ہوا، ان بزرگ کو اس کا تعارف پہلے سے نہیں تھا، جب وہ وزیر صاحب قریب ہوا تو لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ فلاں وزیر صاحب ہے، تعویذ کے لئے آیا ہے۔ انھوں نے کہا اچھا! پھر ہاتھ اٹھایا اور زور سے ایک تھپڑ اس وزیر کو رسید کر دیا اور اپنے مریدوں سے فرمایا کہ اسے باہر نکالو۔ مریدوں نے بھی اسے پکڑ کر باہر نکال دیا۔ تھوڑی دیر گزری تو وہ دوبارہ داخل ہوا کیونکہ باہر کسی نے کہا کہ اب دوبارہ اندر جاؤ تو کام ہو جائے گا۔ وہ ڈرتے ڈرتے دوبارہ داخل ہوا۔ جب قریب ہوا تو بزرگ نے پھر پوچھا کہ اب کیا ہے؟ تو وزیر نے عرض کیا کہ حضرت اب تو تعویذ دے دیں۔ انھوں نے کہا ہاں اب اسے تعویذ دے دو۔ اس نے تعویذ لیا اور باہر چلا گیا۔ مریدوں نے پوچھا کہ حضرت آپ تو تھپڑ کسی کو نہیں مارتے پھر اسے کیوں مارا؟ حضرت نے فرمایا: 'اس کا دل دکھانے اور نفس کے بڑے پن کو توڑنے کے لئے۔' اس وزیر کے لئے دس ہزار کیا چیز ہیں، اس لئے اس کی مرمت کرنی پڑی۔

یہ میرا اور آپ کا حال ہے۔ پیسہ جیب سے نکلتا ہے تو جان جاتی محسوس ہوتی ہے۔ انسان دنیا کی مادی چیزوں پر محنت کرتا ہے جس سے پیسہ ہاتھ آئے، شہرت ہو جائے، عہدہ کرسی مل جائے۔ پھر اس دنیا میں اتنا انہماک ہو جاتا ہے کہ اپنے اللہ کو بھول جاتا ہے اور دنیا سے مانوس ہو جاتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں دنیا کے عشق میں گرفتار ہو جانے کے بعد انسان دنیا کی ہر چیز کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اگر اس کے پاس ہزار چیزیں ہوں تو وہ ان سب سے محبت کرتا ہے۔ ان میں سے ایک چیز بھی چوری ہو جاتی ہے تو وہ اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف محبوب کی جدائی پر ہوتی ہے اور موت تو گویا اس کے لئے اپنے جلو میں ہزار مصیبتیں اور ہزار محبوبوں کی جدائی کی تکلیف لے کر آتی ہے۔ کسی بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس کے سامنے جواہر سے مرقع فیروزہ کا ایک ایسا خوبصورت پیالہ پیش کیا گیا جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں تھی۔ بادشاہ پیالہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے اپنے حاشیہ نشین اصحابِ عقل میں سے کسی سے پوچھا کہ اس پیالہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسے مصیبت یا فقر سمجھتا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا اگر یہ ٹوٹ جائے تو ایسا نقصان ہو گا جس کی تلافی ممکن نہیں۔ چوری ہو جائے تو تم اس کے محتاج ہو جاؤ گے اور تمہیں اس کا ثانی نہیں ملے گا۔ جب تک یہ تمہارے پاس نہیں تھا تم مصیبت اور احتیاج دونوں سے محفوظ تھے۔ اتفاق سے ایک روز وہ پیالہ ٹوٹ گیا یا چوری ہو گیا تو بادشاہ کا غم قابل دید تھا۔ اس وقت حکیم کی بات یاد آئی اور دل سے یہ آواز آئی کہ کاش یہ پیالہ میرے پاس نہ لایا گیا ہوتا۔ (احیاء العلوم جلد سوم ص ۳۹۴-۳۹۵)

انسان کی دنیا کی چیزوں سے محبت ایک فطری چیز ہے لیکن اس فطرت کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور ﷺ کی اتباع کے عین مطابق استعمال کرنا دین ہے ورنہ دنیا ہے۔اور آخرت اور دنیا دونوں کے عذاب کا مستحق بنتا ہے۔موت کی سختی میں اضافے کا سبب دنیا کی محبت بھی ہے۔انسان حساب و کتاب میں ہر وقت مصروف رہے، ہر وقت دنیا کو بڑھانے میں وقت لگائے تو دنیا کی محبت رگ رگ میں بس جاتی ہے۔پھر اس کا نغمہ دنیا ہی ہوتی ہے۔

امام غزالیؒ نے دنیا و آخرت کو دل کی دو حالتوں کا نام دیا ہے۔حالتِ قریبہ اور حالتِ بعیدہ۔پہلی حالت یعنی موت سے پہلے کی حالت دنیا ہے اور دوسری حالت یعنی موت کے بعد والی حالت کا نام آخرت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں سے موت سے پہلے آدمی کی غرض، خواہش اور لذات وابستہ رہتی ہیں، وہ اس کے حق میں دنیا ہیں، لیکن ہر چیز جس میں رغبت ہو وہ بری نہیں۔ان لذات کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جو آخرت میں تمہارے ساتھ رہیں گی اور موت کے بعد ان کا ثمرہ ظاہر ہوگا اور یہ صرف دو چیزیں ہیں، علم اور عمل۔

دوسری قسم میں لذات اور حظوظ ہیں جن کا آخرت میں کوئی ثمرہ یا نتیجہ نہیں جیسے گناہوں سے لذت حاصل کرنا یا زائد از ضرورت مباحات سے لطف اندوز ہونا جو رفاہیت اور رعونت کے دائرے میں آتی ہوں۔ جیسے سونے چاندی کے ڈھیر، گھوڑے، چوپائے، غلام، باندیاں، محلات، قیمتی کپڑے اور لذیذ کھانے وغیرہ۔ بندے کا ان تمام چیزوں سے حظ (مزہ) اٹھانا دنیائے مذموم ہے۔یہ ایک لمبی بحث ہے کہ ان میں سے کون سی چیز زائد از ضرورت ہے اور کون سی ضرورت کے بقدر ہے۔

تیسری قسم میں وہ لذات ہیں جو نہ خالص دنیاوی ہیں اور نہ آخروی بلکہ ان سے اعمال و آخرت پر مدد ملتی ہے جیسے بہ قدرِ عورت (ضروری ستر) لباس کا استعمال۔اس میں وہ لذت شامل ہے جو انسان اپنی بقا کے لئے علم و عمل تک پہنچنے کی خاطر صحت و تندرستی پانے کے لئے حاصل کرے۔چنانچہ اگر انسان علم و عمل میں مشغول ہونے کے لئے کھانا کھائے تو اس کا یہ عمل دنیا نہیں ہے اور نہ وہ اس عمل کی وجہ سے دنیا دار کہلانے کا مستحق ہے۔ ہاں اگر کھانے کا محرّک حظِ عاجل (جلدی اور فوری مزہ) ہے تو یہ دنیاوی لذت ہوگی اور اس اعتبار سے دوسری قسم میں شامل ہوگی۔

ایک قسم میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونا مقصود ہی نہیں ہوسکتا۔جیسے معاصی (گناہ)، ممنوعہ امور (ایسے کام جو منع ہوں) اور مباحات (ایسے کام جن کے کرنے نہ کرنے میں ثواب گناہ نہیں)

میں انواع واقسام کی نعمتیں، یہ سب چیزیں خالص دنیاوی ہیں، صورتاً بھی اور معناً بھی۔ دوسری قسم میں وہ چیزیں ہیں جو بظاہر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوسکتی ہیں لیکن ان میں غیر اللہ کو بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں فکر، ذکر اور شہوات سے دور رہنا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ان تینوں باتوں پر خفیہ طور پر عمل کرے اور حکمِ الٰہی اور خوفِ آخرت کے علاوہ کوئی ان کا محرک اور داعی نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر فکر سے غرض یہ ہو کہ علم حاصل کر کے لوگوں پر اپنی برتری اور تفوق ظاہر کرے گا، ان میں قبولیت حاصل کرے گا، یا ذکر اس لئے کرے کہ لوگ اسے عارف باللہ کہیں یا مال کی اور صحت کی حفاظت اور خلق خدا میں عابد اور زاہد مشہور ہونے کے لئے شہوات سے باز رہے۔ اگر یہ ذکر، فکر اور ترک شہوت کے مقاصد ہوں تو یہ حقیقت میں دنیا کے عمل شمار ہوں گے۔ اگرچہ اپنے ظاہر سے یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص عمل محسوس ہوتے ہیں۔

تیسری قسم میں وہ چیزیں شامل ہیں جو بظاہر حظِ نفس کے لئے مخصوص لگتی ہیں لیکن معناً اللہ تعالیٰ کے لئے ہوسکتی ہیں۔ جیسے غذا، نکاح اور وہ تمام امور جن سے اس کی اور اس کے اہل وعیال کی بقاء وابستہ ہے۔ اگر غذا ونکاح سے واقعتاً حظِ نفس مقصود ہے تو یہ بھی دنیاوی عمل ہے اور اگر ان سے تقویٰ پر مدد حاصل کرنا ہے تو معناً اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں خواہ ان کا ظاہر انہیں دنیاوی عمل قرار دیتا ہو۔ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں' جو شخص دنیا کو بطریق حلال، زائد از ضرورت اظہارِ مفاخرت کے لئے حاصل کرے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا اور جو شخص مانگنے کی ذلت سے بچنے کے لئے اور اپنے نفس کی حفاظت کی خاطر دنیا طلب کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوا ہوگا۔ (ابو نُعیم فی الحِلیۃ، بیہقی، ابو ہریرہ بحوالہ احیاء العوم، جلد سوم، صفحہ ۳۳۳)

دنیا اسی حظ کا نام ہے جو دنیا کی زندگی میں حاصل ہو جائے اور جس کا آخرت کی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اسی کو ہوائے نفسانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہوائے نفس کا مجموعہ یہ پانچ امور ہیں جو باری تعالیٰ نے اس آیت میں جمع فرمادئے ہیں۔ دنیوی حیات محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال واولاد میں ایک دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا (پ ۲۷، ر ۱۹، آیت ۲۰) اور وہ چیزیں جن سے یہ پانچ چیزیں حاصل ہوتی ہیں سات ہیں۔ خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نمبر لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب چیزیں ہیں دنیاوی زندگانی کی۔ (پ ۳، ر ۱۰، آیت ۱۱۴۔ احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۳۳۲۔۳۳۷)

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۵۷)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

بحث میں نہ اُلجھیں:

فرمایا کہ گردو پیش سے سلسلے سے متعلق حضرات یہ شکایتیں پیش کررہے ہیں کہ غیر مقلدین حضرات، جنہیں اہلِ حدیث کہا جاتا ہے، اُلجھتے ہیں اور بحث مباحثہ کرتے ہیں کہ تم لوگ حدیث کے خلاف چل رہے ہو، حدیث پر امام کی باتوں کو ترجیح دیتے ہو۔ بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ حدیث کا انکار کرتے ہو۔ بعضے یہاں تک آجاتے ہیں کہ تم نے یہود کی طرح اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھم و رھبانھم اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ کہ تم نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کی جگہ ربّ بنایا ہوا ہے۔ اس بحث سے بات کو کفر کے فتوے تک لے جاتے ہیں اور خاص زور آمین بالجہر اور رفع یدین پر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں بندہ کی طرف سے عرض ہے کہ آپ انہیں اپنے مسلمان بھائی سمجھیں کیونکہ توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد، اس طرح پانچ نمازیں، نمازوں کی رکعات، یہ تو متفق علیہ مسائل ہیں، یہ تو اُصولی چیزیں ہیں۔ اس کے علاوہ دِین کا ایک حصہ فروعی مسائل ہیں۔ فروعی مسائل کے سلسلہ میں خود حضور ﷺ کے سامنے آپؐ کے دور میں صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق مختلف تشریحات کی ہیں اور اُن پر عمل کیا ہے جس کے لئے آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک گروہ نے ٹھیک کیا اور دوسرا غلطی پر ہے۔ اس لئے فروعی مسائل میں ائمہ کرام کے اختلافات ہیں۔ ہر کسی نے نیک نیتی سے صحیح بات تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اپنی رائے کے حق میں دلائل دئے ہیں۔ جو آدمی دلائل سننے کے بعد جن دلائل سے متاثر ہو جائے اس کے ذمے لازم ہو جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرے۔ اس طرح کچھ فقہی ترتیبیں مختلف علاقوں میں چل پڑی ہیں۔ وہاں کے ائمہ مجتہدین، ان کے اِدارے اور مدارس، ان کی کتابیں نیز ان معاشروں میں ان کے معاشرتی تعلقات، ان علاقوں اور معاشروں میں توازن، جوڑ، یک جہتی، اعتماد و اعتبار اور محبت کے تعلقات ان علاقوں میں تقلید کی عظیم نعمتیں ہیں۔ ان کو چھیڑنا دانشمندی کی بات نہیں ہے۔ نیز ان غیر مقلدین کو سمجھایا جائے کہ رفع یدین، آمین بالجہر، ننگے سر ہو کر نماز پڑھنا، ٹانگیں کھول کر نماز پڑھنا یہ ایسے مسائل نہیں کہ ان کا پرچار کیا جائے اور ان کی تبلیغ کی جائے بلکہ تبلیغ تو توحید، رسالت، آخرت، عبادات، اخلاقِ فاضلہ مثلاً اخلاص، تواضع، ہمدردی وغیرہ کا حاصل کرنا اور کبر، حسد، لالچ، کینہ، رِیا وغیرہ سے بچنا ان چیزوں کی ہوتی ہے۔ اس تبلیغ سے معاشرے میں مثبت تبدیلی آتی ہے اور شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔

ھر فیلڈ کا جو تجربه کار ھوتا ھے وہ اس چیز کو نچوڑ کر اس کا نتیجه نکالتا ھے:

فرمایا کہ جب ڈیل کارنیگی کی کتاب Stop Worrying Start Living (پریشان ہونا چھوڑ یئے اور جینا شروع کیجئے) یہاں آگئی تو لوگ اس کتاب سے بڑے متاثر ہوئے اور میرے پاس یہ کتاب لے کر آئے۔ جب میں نے پڑھا تو واقعی اُس نے پریشانی کے رازوں کے بارے میں بڑی گہری باتیں سمجھی، سوچی اور لکھی ہوئی تھیں۔ پریشانیوں سے نکلنے کے لئے اُس نے کچھ ایسے طریقے لکھے ہوئے تھے جو کہ واقعی بڑی سمجھ داری کے تھے۔ ہر کتاب کو پڑھنے کے بعد اسے آخر میں نچوڑنا ہوتا ہے۔ ہر فیلڈ کا جو تجربہ کار ہوتا ہے وہ اس چیز کو نچوڑ کر اس کا نتیجہ نکالتا ہے۔

ہمارے ایک مولوی صاحب تھے، مختلف جگہوں پر جنازوں، جلسوں، جلوسوں میں آنا جانا شروع ہو گئے۔ ہمارے علاقے کا جو سیاسی لیڈر تھا اس نے کہا کہ لگتا ہے اس بار مولوی صاحب نے الیکشن میں کھڑے ہونے کا اِرادہ کیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ آدمی دانشور تھا۔ مولوی صاحب کے طرزِ عمل کو اس نے نچوڑ کر بتا دیا کہ ان کے طرزِ عمل کا عرق یہ ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ مولوی صاحب الیکشن میں کھڑے ہوئے۔

میں نے کہا کہ اس کی کتاب کو نچوڑو کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس کی ساری کتاب کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تمہیں یہ کمالات حاصل ہو جائیں گے تو تمہیں شہرت ملے گی، تمہیں دولت ملے گی اور تم سے عورتیں متاثر ہوں گی۔ شہرت، دولت، عورت اس کی بنیاد تھی۔ یعنی اس کتاب کا جو آخری نچوڑ تھا، جو عرق نکلتا تھا وہ تھا شہرت، دولت اور عورت۔

کتاب پڑھنے کے دوران میں ان باتوں کے آگے احادیث کو لکھتا گیا جن احادیث میں وہ باتیں بیان ہو چکی تھیں جو ڈیل کارنیگی کی کتاب میں زیرِ بحث آئی تھیں۔ ایک جگہ اس نے لکھا تھا کہ دنیا کی چیزوں کی بے پناہ محبت بہت مصیبتوں کو جنم دیتی ہے۔ اس کے آگے بندہ نے حدیث حب الدنيا راس كل خطيئة یعنی دُنیا کی محبت ساری خطاؤں کی سردار ہے لکھ دی۔ آپ کو ایک حیرت انگیز بات بتاؤں۔ ڈیل کارنیگی نے آخر میں خودکشی کی ہے۔ وہ اتنا ناکام ہوا ہے۔ اتنی دانشورانہ کتاب لکھنے کے باوجود، کیونکہ اس کا محور شہرت، دولت، عورت کا حصول تھا اور یہی وہ فانی چیزیں ہے جو انسان کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور یہی وہ انسان کی ناکامی ہے جس میں وہ مبتلا ہے۔ واقعی فلاسفروں، دانشوروں اور ماہرینِ نفسیات کی بحثیں نظری (Theoretical) ہوتی ہیں۔ نظریات تو ان کے ہوتے ہیں لیکن ان کے مطابق اپنی شخصیات کو بھی عملی سانچے میں نہیں ڈھالا ہوا ہوتا۔ جب کہ انبیاءؑ کی تعلیمات عملی ہوتی ہیں۔ جو وہ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور اس کے وجود میں لانے کے لئے عملی

جدوجہد کرتے ہوئے جان کی بازی تک لگاتے ہیں۔

ازلی علم تو اللہ کی ذاتِ ذُوالجلال کا ھے:

فرمایا کہ سچ بات ہے علمِ ازلی تو اس ذاتِ ذوالجلال کا ہے جس نے انسان کو بنایا، اس کی عقل کو بنایا، اس کے جذبات کو بنایا، اس کی سوچ کو بنایا اور اس پر کیا حالات طاری ہونے ہیں، کس طرف اس کی سوچ و عقل نے جانا ہے، کس طرف اس کے حالات جذبات اور سوچ نے جانا ہے، ان ساری باتوں کو بیان کیا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ تو منبع ہے سارے علوم کا۔ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ آیتِ مبارکہ ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ○ وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ○ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُہٗ جَہَنَّمُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمِہَادُ○ (البقرہ: ۲۰۴ تا ۲۰۶)

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس کی گفتگو جو محض دنیاوی غرض سے ہوتی ہے بڑی مزے دار معلوم ہوتی ہے اور وہ (اپنا اعتبار بڑھانے کو) اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اپنے دل کی سچائی پر حالانکہ وہ (آپؐ کی) مخالفت میں (نہایت) شدید ہے اور جب (آپؐ کی مجلس سے) پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور (کسی کی) کھیتی اور مویشی کو تلف کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد (کی باتوں) کو پسند نہیں فرماتے اور جب اُس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو (اور زیادہ) آمادہ کر دیتا ہے اس کو غرور گناہ پر سو ایسے شخص کی کافی سزا ہے جہنم اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

پوری ایک شخصیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، پوری ایک Personality بیان ہوئی ہے۔ آدمی غور کرے تو پتہ چلتا ہے کہ میری پوری شخصیت زیرِ بحث آئی (Discuss) ہوئی ہے اور یہ سب کچھ وہ ہے جو کہ میں کر رہا ہوں کہ دن کو پھر کر مخالفت کی فضا بناتا ہوں، سازشیں کرتا رہتا ہوں اور مسائل کھڑے کر دیتا ہوں۔ واقعی قرآن مجید میں مختلف قسم کی شخصیات کی پوری منظر کشی ہے۔ ایک آیت کا ٹکڑا فِیہِ ذِکرُکُم اس کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام مسائل کا حل اپنے عِلم یعنی قرآن پاک کی شکل میں دیا ھوا ھے:

فرمایا کہ آدمی جو عمل کرتا ہے وہ ایک اِرادے کے تحت کرتا ہے اور اِرادہ اس کے اندر سے وجود میں آتا ہے۔ یہ اِرادہ اس بنیاد پر وجود میں آتا ہے کہ اس کے قلب میں کیا ہے؟ انسان کے قلب میں ایک تأثر ہوتا ہے اور اس تأثر کے تحت یہ اس بات کو لئے ہوتا ہے کہ میرے مسائل کا حل کہاں سے ہوتا ہے، کیسے ہوتا ہے، اور

اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟ یہاں عام طور پر انسانوں کا یہی تأثر ہے کہ مسائل کا حل وسائل میں ہے لہٰذا وسائل کو حاصل کرو۔

لینن نے لکھا ہوا ہے کہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جھوٹ، فریب، ظلم، قتل جو کچھ بھی جس طریقے سے حاصل کر سکتے ہو اُس کو حاصل کرو۔ کیونکہ اس کے فلسفے کی بنیاد ہی یہی ہے کہ مسائل کا حل وسائل میں ہے۔ مسائل پیدا ہی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم سے ہوئے ہیں۔ سارے مسائل کی بنیاد ہیں ہی یہ وسائل۔ تو سارے کا سارا فلسفہ اس بات کے گرد گھوم رہا ہے کہ مسائل پیدا ہوئے ہیں وسائل کے نہ ہونے سے اور مسائل کا حل وسائل کی تقسیم میں ہے۔ یہ اس ساری بات کا خلاصہ ہے۔

حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ کے صاحبزادے تھے اور تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر تھے۔ وہ ایک بڑے مجمع میں تقریر کرنے کے لئے گئے اور مجمع تھا دانشوروں کا، بڑے افسروں کا اور دنیا کے لحاظ سے سمجھ دار لوگوں کا۔ انہوں نے بہت سارے لکھے ہوئے سوال ان کو دے دئے۔ حضرتؒ نے وہ سارے سوال لے کر مٹھی میں پکڑ لئے اور بیان کیا۔ بیان ختم ہونے کے بعد ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے سارے سوالوں کے جوابات انہوں نے دے دئے۔ سوالوں کے جواب کیا ہوتے ہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مسائل کا حل اپنے علم یعنی قرآن پاک کی شکل میں دیا ہوا ہے۔ جب آدمی ان قرآنی حقائق کو بیان کرتا ہے تو سوالوں کے جوابات ہو جاتے ہیں۔

فرمایا گیا ہے فیہ ذکرکم اس میں تمہارے خاکے بیان کئے گئے ہیں۔ تو تم دیکھو اس میں کہ تمہارا خاکہ کہاں بیان کیا گیا ہے؟

قلب کی اصلاح اللہ کے تعلق سے ہوتی ہے:

فرمایا کہ قلب کی اصلاح اللہ کے تعلق سے ہوتی ہے۔ یہ ذِکر، اذکار، تلاوت یہ سب وہ مشاغل ہیں جن سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے نیز قلب کی اصلاح آخرت کی فکر سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارے سلسلے میں اصلاح کے طریقے میں ایک ذکر ہے ایک فکر ہے۔ ذکر میں اللہ کے ناموں کو اللہ کے دھیان کے ساتھ پڑھنا ہوتا ہے اور فکر میں سلسلے کی کتابوں کو پڑھنا ہوتا ہے۔ مراقبے میں ہم صوفیاء کے روایتی مراقبوں کی جگہ کاملین اہلِ حق کی کتابیں پڑھواتے ہیں۔ وہ مراقبے بھی مبارک ہیں۔ آہستہ آہستہ کوشش کرتے رہیں گے تو اللہ فضل فرما دیں گے۔

کام کرنے والے لوگوں کے ذہن میں ہی سوالات آتے ہیں:

فرمایا کہ جو لوگ کام کرتے ہیں ان کے ذہن میں سوال آتا ہے۔ جب وہ سوال پوچھتے ہیں تو اللہ ان

کی مدد فرماتے ہیں۔اور جو سوال ہی نہیں کرتے، اس کا مطلب ہے کہ وہ کام ہی نہیں کر رہے ہیں۔ایک لڑکی کی شادی ہوئی تو اس کی ماں نے اسے کہا کہ کچھ بھی ہو جائے تم بولو گی نہیں۔اس کی ساس نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح یہ بولے لیکن وہ بولتی نہیں تھی۔آخر ایک دِن اس کی ساس نے اسے بلا کر بولنے کو کہا۔وہ لڑکی جب بولی تو اس نے ساس سے کہا کہ اماں! اگر میرا خاوند مر گیا تو کیا آپ مجھے دوسری شادی کی اجازت دیں گی؟ اس کی ساس نے جب یہ بات سنی تو اس نے کہا کہ بیٹی تُو خاموش ہی بھلی تھی۔

ذاتِ ذُوالجلال کے ساتھ تعلق بنانا ھے تو اُس کی رضا کے لئے کام کریں۔اُس کام کرنے کی وجہ سے لوگ تعریف کریں تو کوئی خوشی نہیں ھے اور کوئی تعریف نہ کرے تو کوئی غم نہیں:

فرمایا کہ ایک تو ذاتِ ذُوالجلال کے ساتھ تعلق بنانا ہے، اس کی رضا کے لئے کام کرنا ہے، اس کام کرنے کی وجہ سے لوگ تعریف کریں تو کوئی خوشی نہیں ہے اور کوئی تعریف نہ کرے تو کوئی غم نہیں ہے، فقط اللہ کی رضا کے لئے کریں۔میرا ایک پڑوسی کمیونسٹ پروفیسر تھا۔جس دِن وہ سوات چلا جاتا تھا، اُس کی بیوی مدرسہ کے بچوں کو بلا کر ختم کراتی تھی اور ہمارے گھر آ کر کہتی تھی کہ خدا کے لئے جب خان آجائے تو اُسے نہ کہنا کہ ہم نے ختم کرایا ہے۔خدارا کہیں اُسے پتہ نہ چل جائے۔خیر ہمارا پڑوسی تھا، میں نے کہا کہ ہم نے تو اُس کی قبر میں نہیں بیٹھنا ہے، اُس نے تو اپنی قبر میں خود بیٹھنا ہے۔پڑوسی ہونے کے ناطے ہم سے جو خدمت ہوتی تھی ہم کرتے تھے اور وہ اس بات سے متاثر بھی تھا اور ہمیں اُس سے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی۔اس لئے کبھی کبھی وہ ہمارے پاس باتیں کرنے کے لئے آجاتا تھا۔چونکہ دانشور تھا تو وہ مجھے دانشورانہ طریقے سے کمیونزم کی دعوت دیتا تھا۔ایک دفعہ ہم مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھے، اعتکاف کے بعد جب ہم واپس آئے تو وہ مجھ سے ملا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ نے عجیب طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کیونکہ اس طریقے سے تو آدمی سب سے کٹ جاتا ہے۔میں نے کہا کے آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔عجیب بات ہے کہ اس طریقے سے واقعی آدمی سب سے کٹ جاتا ہے۔کٹنے کے بعد اللہ سے جڑ جاتا ہے اور پھر سب سے اللہ کے حکم کی روشنی میں جڑتا ہے۔ماں باپ سے کیسے جڑنا ہے، بال بچوں سے کیسے جُڑنا ہے، معاشرے سے کیسے جڑنا ہے، حکومت سے کیسے جڑنا ہے، عوام سے کیسے جُڑنا ہے، ساری زندگی کے طبقات سے کیسے جُڑنا ہے اور وہ جڑنا بہت معیاری (Standard) ہے۔ماں باپ سے جُڑنا جو بیان ہوا ہے ایک ایسا Standard ہے کہ جس کا کوئی جواب ہی نہیں، بال بچوں کے کیا حقوق ہیں؟ لٰہذا وہ کٹنا ایسا ہے جیسے کہ ایک درزی پہلے کپڑے کو کاٹتا ہے پھر کپڑے کو گانٹھتا ہے۔

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

خط بنامِ ادارہ

محترم حضرات اسلام علیکم!

یہ خبر یقیناً جناب کی نظروں سے گزری ہوگی کہ برونائی دارالسلام کے فرمانروا سلطان حسن البلقیہ نے یکم مئی کو ملک میں مرحلہ وار اسلامی قوانین وسزائیں نافذ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جزائر شرق الہند کی اس نسبتاً چھوٹی سی مسلم ریاست کا وسائل کے اعتبار سے امیر ترین ممالک میں شمار ہے۔ اکثریتی آبادی (۷۰ فیصد) مسلم ہے اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی خواہاں ہے۔ ابھی صرف اعلان ہی ہوا تھا کہ مغربی دنیا نے اس پر اپنے ردِ عمل اور تحفظات کا اظہار شروع کر دیا۔ امریکی ریاستوں میں برونائی کے دو بڑے پر آسائش (لگژری) ہوٹل ہیں جن سے وسیع آمدن ہے۔ یہاں اس امر کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ امریکہ کی معروف سماجی، صنعتی اور تجارتی شخصیات نے اس اعلان کے ردعمل میں ان ہوٹلوں کا بائیکاٹ کر دیا ہے تا کہ برونائی حکومت کے اس اقدام کی حوصلہ شکنی ہو۔

اس خبر نے ایک بار پھر 9/11 کے دھماکوں سے پیدا ہونے والی صوتحال کی یاد تازہ کر دی۔ امریکہ کے بڑے بڑے بازاروں اور شاپنگ سنٹروں میں عرب اور خلیجی ممالک کی مصنوعات تھوک کے حساب سے الماریوں میں سجی سجائی زائدالمیعاد (Expire) ہو کر خراب ہو گئیں کیونکہ اس بظاہر بے دین قوم نے ایک سوچ کے تحت ایک عرب باشندے کو ان واقعات کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے ان ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اس ردِ عمل کی خبریں اخبارات میں اکادکا ہی دیکھنے میں آئیں البتہ انٹرنیٹ پر خبروں کی اور دستاویزی ویب سائٹس پر اب بھی موجود ہیں۔

کفار کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کا یہ حربہ بہت پرانا ہے۔ تاریخ اسلام میں اس کی سب سے پہلی مثال خود آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی شعبِ ابی طالب کے واقعہ کی صورت میں ہے۔ جب کفارِ مکہ نے حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت اور تبلیغ کے ردعمل میں آپ ﷺ کے خاندان اور نومسلم صحابہ کرام ؓ کو تنگ کرنا شروع کیا اور بالآخران کا مکمل سماجی اور معاشرتی بائیکاٹ شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے لئے بازار میں روزمرہ خرید وفروخت بھی ناممکن ہوگئی تا کہ ان کو کمزور کر کے اپنے مؤقف سے ہٹایا جائے۔ مجبوراً آپ ﷺ کو اپنے تمام ساتھیوں سمیت ایک گھاٹی شعبِ ابی طالب میں پناہ لینا پڑی۔

حضرت ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے بندہ جب یہ سوچتا ہے کہ آج کے معروضی حالات میں

بحیثیت امت ہمارا رویہ کیسا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ یہود و نصاریٰ اپنی ملٹی نیشنل کمپنیوں (MNCs) کے ذریعے بین الاقوامی تجارت پر چھا کر ہمارے ممالک کی ساری دولت منافع کی شکل میں نچوڑ کر لے جا رہے ہیں اور پھر اسی پیسے سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کئے ہوئے ہیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادی جہاں جہاں مسلمانوں پر جنگیں مسلط کئے ہوئے ہیں ان کی پشت پناہی انہی یہودی کمپنیوں کی مالی مدد سے ہو رہی ہے۔ گویا ہم ان مصنوعات کو خرید کر اپنے مسلمان بھائیوں پر بمباری کے لئے چندہ دے رہے ہیں۔ کیا امتِ مسلمہ میں ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے بائیکاٹ کا شعور نہیں ہے؟ کیا ہم میں اتنی دینی ہمیت اور بحیثیت قوم اتنی غیرت نہیں کہ ہم یہود و نصاریٰ کا معاشی بائیکاٹ کریں اور ان کو مجبور کریں؟ جب کہ بائیکاٹ کے اس فلسفہ کی اہمیت بھی مسلّم ہے۔ اس کی تازہ مثال چند سال پہلے ڈنمارک کے ایک اخبار کے گستاخانہ خاکے شائع کرنے اور اس پر ہٹ دھرمی کرنے کے بعد کی ہے جب مسلم ممالک نے ڈنمارک کی کمپنیوں کا بہت منظّم تو نہیں لیکن ایک عمومی درجے کا بائیکاٹ کیا تو اس سے انھیں کروڑوں ڈالر کا نقصان ہوا جس کے بعد ڈنمارک کو سفارتی سطح تک جا کر مسلم ممالک سے اپنی وضاحت کرنا پڑی اور اپنا مؤقف غیر جانبدار کرنا پڑا۔

لیکن افسوس کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس بات کی اہمیت کا ادراک نہیں۔ اگر کسی کو بائیکاٹ کی اہمیت بتلا کر اس کے ممکنہ نتائج کی طرف توجہ دلائیں تو وہ اسے دیوانے کی بڑ سمجھتا ہے۔ گویا اس سے کوئی نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ الٹا لوگ غیر مسلموں سے تجارت کے جواز کا مسئلہ سمجھانے لگتے ہیں۔ کیا ہم ہر روز وتر کی نماز میں دعائے قنوت میں نہیں پڑھتے و نخلع و نترک من یفجرک (اور ہم اس کو چھوڑتے ہیں اور سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں جو تیرا نافرمان ہے)۔ اس میں تو ہم کھلم کھلا گناہ کرنے والے مسلمانوں کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کرتے ہیں تو کفار کے ساتھ تو اس سے بھی سخت بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں اسی معاشی پشت پناہی کی زندہ مثال ہیں۔ ہر قادیانی شخص اور ادارہ اپنی آمدن کا دس فیصد حصہ اپنے نام نہاد مذہب کی ترویج و اشاعت کے لئے دیتا ہے۔ مشروبات کی مشہور قادیانی کمپنی شیزان نے صرف سال ۱۹۹۹ء میں اپنی جماعت کو ڈیڑھ کروڑ چندہ دیا۔ مشہور قادیانی صنعتکار چوہدری شاہنواز نے اپنے ذاتی خرچ پر مرزے کی خرافات پر مبنی قرآن کا ترجمہ اور تفسیر روسی زبان میں ترجمہ کرا کر شائع کرایا۔ یہ سب اسلام دشمن سرگرمیاں میرے اور آپ کے پیسوں سے کمائی کر کے وجود میں آئیں۔

حضرت اس سارے تناظر میں جو اگلی بات سب سے بڑھ کر مایوس کن ہے وہ یہ ہے کہ بائیکاٹ کے اس نظریے کے بارے میں عام عوام تو درکنار دیندار طبقہ کی رائے اور عمل کیا ہے؟ بندہ کے لئے تو یہ سوچ ہی دل

دھلا دینے والی ہے کہ جب بظاہر دیندار لوگوں کو بھی اس بات کی دعوت دی جائے تو وہ اس کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ گردوپیش میں جتنی دینی تحریکوں اور اصلاحی ترتیبوں سے بندہ کا اب تک واسطہ پڑا ہے ان سے وابستہ لوگ اس چیز کی اہمیت کے قائل ہی نہیں۔ دیندار دوست واحباب و دیگر افراد سے جو میل جول رہتا ہے اُس سے بندہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ خواہ مدارس کے علماء ومفتیان کرام، شیخ الحدیث ہوں یا بیعت کے سلاسل چلانے والے مشائخ اوران کے مریدین یا خانقاہوں کے دیگر متعلقین و معتقدین، تبلیغی تحریکوں کے مبلغین ہوں چاہے دینی سیاسی جماعتوں کے لیڈر یا کارکن، اس مسئلہ میں سب ایک ہیں۔ استفسار کرنے پر وہی ڈھاک کے تین پات کہ خرید وفروخت تو کفار کے ساتھ بھی جائز ہے۔

پھر جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال طبقے سے کیا گلہ کیا جائے کہ باوجود انگریزی تعلیموں، ڈگریوں اور میڈیا کی نام نہاد شعور وآگہی کے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بنیادی تعریف (Definition) سمجھنے سے ہی قاصر ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہمارے ہی ملک میں یہ فیکٹریاں ہیں، ہمارے ہی مزدور بھائی ان میں کام کرتے ہیں تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟ تو حضور! یہ MNCs، یہ فیکٹریاں، یہ پیپسی چاہے آپ کے شہر پشاور میں ہی بن رہی ہے، اس کا سارا نفع اس یہودی کی جیب میں جارہا ہے جو امریکہ میں بیٹھا افغانستان اور مشرق وسطیٰ میں میزائل اور گولیاں برسانے کے لئے پیسے دے رہا ہے۔ یہ ایک معاشی جنگ (Economic War) ہے۔

اس ساری بحث وتمہید کا مقصد چند معروضات پیش کرنا تھا۔ کیا علماء ومفتیان کرام، مشائخ و مبلغین و دیگر اہلِ دین کا یہ طرزِ عمل قابلِ قبول ہے؟ کیا یہود و نصاریٰ کی کمپنیوں (MNCs) کی بنائی ہوئی روزمرہ استعمال کی اشیاء کا یوں بے دریغ استعمال جائز ہے؟ بالخصوص جب متبادل مصنوعات بھی دستیاب ہوں! کیا اہلِ کفر کو یوں کثیر زرِ مبادلہ فراہم کرنا صحیح ہے؟ کیا امتِ مسلمہ ایک مؤقف اپنا کر ان کمپنیوں کو مجبور نہیں کرسکتی؟ کیا ہم بطورِ مثال ان کی چند مشہور بڑی کمپنیوں مثلاً Pepsi, Coca-Cola, Nestle, UniLever, Telenor, Shezan وغیرہ کا ہی مکمل بائیکاٹ کر کے انھیں نشانِ عبرت نہیں بنا سکتے؟ کیا یہود و نصاریٰ کی معاشی ناطقہ بندی ان کی طاقت کو توڑنے کا ایک اہم ذریعہ نہیں ہے؟ کیا اہلِ علم، اہلِ ارشاد اور دانشورانِ ملت اپنے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب نہیں؟ کیا اس ضمن میں فتویٰ صرف حلال حرام اجزاء کی بنا پر ہوگا؟ اگر ان کمپنیوں کے مالک حربی کافر ہیں یا حربی کافروں کو چندہ دے رہے ہیں جو کہ مسلمانوں کا کُشت وخون کررہے ہیں تو کیا ان کی مصنوعات کے عوض پیسے دینا حربی کافر کی مدد کے زمرے میں نہیں آئے گا؟ اور اگر حربی کافر کی مدد کی بنا پر فتویٰ حرام کا ہوگا تو پھر ہم بحیثیت قوم کہاں کھڑے ہیں؟

حضرت یہاں پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وہ مشہور فتویٰ یاد دلاتا چلوں ۱۹۳۰ء کی دہائی میں جب مسلمانانِ فلسطین کو یہودیوں کے ہاتھ اپنی زمینیں فرخت کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا تو انھوں نے ایک استفتاء جامعۃ الازہر سے کیا اور ایک دارالعلوم دیوبند سے۔ دیوبند والوں نے یہ استفتاء حضرت تھانویؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت تھانویؒ نے اپنے فہم وفراست کی بنا پر فرمایا کہ یہودی آج منہ مانگی قیمت پر فلسطین کی زمینیں خرید رہے ہیں تو کل کو یہ یہاں پر اپنی ریاست کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان کا یہودی کے ہاتھ زمین فروخت کرنا جائز نہیں۔ جبکہ جامعۃ الازہر والوں نے غیر مسلم کے ساتھ خرید وفروخت کے جواز کی بنا پر سادہ سا فتویٰ دے دیا کہ فلسطین کے مسلمانوں کا یہودی کے ہاتھ زمین فروخت کرنا جائز ہے۔ اہلِ فلسطین نے معمولی دنیاوی مفاد کی خاطر الازہر والوں کے فتویٰ پر عمل کیا اور حضرت تھانوی کے فتویٰ کو چھوڑ دیا۔ انجام سب کے سامنے ہے۔

حضرت! امت کے ایک بے حیثیت و بے وقعت فرد ہونے کے ناطے دل کے یہ پھپھولے آپ کے سامنے رکھ دیے۔ میرا بس یہیں تک تھا کہ آپ تک بات پہنچا دی۔ اس سلسلے میں آگے کیا کرنا ہے یہ آپ جیسے حضراتِ فکر و دانش کا کام ہے۔ میں نے اپنی گلوخلاصی کر لی۔ اب بروز قیامت دنیا کے مظلوم مسلمانوں کا ہاتھ ہوگا اور آپ لوگوں کا گریبان۔

بندہ سے جو جو گستاخی ہوئی ہو نشاندہی فرما کر اصلاح فرما دیں۔

فقط۔

ایک دردمند مسکین پاکستانی میڈیکل ڈاکٹر

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ نمبر ۲۷ سے آگے)

جب اُس کو گانٹھتا ہے تو ایسی Crease اور Fall کے ساتھ آدمی کے بدن کے مطابق درست (Adjust) کرتا ہے کہ اُس سے جو حسن و جمال پیدا ہوتا ہے وہ تو پھر دیکھنے کی چیز ہوتی ہے۔

پروفیسر صاحب سوچ رہا تھا کہ میں نے زبردست کٹ ماری تھی لیکن اس نے Blocking کر کے بال واپس میری کورٹ میں پھینک دیا۔ اس پروفیسر صاحب کو جب اللہ نے آخر میں پکڑا تو اس کی نظر چلی گئی۔ پھر اس نے اللہ اللہ کہنا شروع کیا۔ پھر اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی۔ سارے کے سارے اس کے دعوے ختم ہوئے۔ انسان فانی ہے لیکن چھلانگیں لگا رہا ہوتا ہے، اکڑ رہا ہوتا ہے اور اتنا سخت کروفر کر رہا ہوتا ہے کہ توبہ! لیکن جب اللہ کا امر آتا ہے تو پھر سب کچھ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ سبحان اللہ

(جاری ہے)

تبصرۂ کتب

نامِ کتاب۔ کیفیاتِ حزین مع تصریحاتِ مبین

مصنف۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام ناصر مروت صاحب

تقریظ۔ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

شعری مجموعہ 'کیفیات حزین مع تصریحات مبین' بندہ کے پیش نظر ہے جو کہ بندہ کے پیر بھائی جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام ناصر مروت صاحب (پی۔ایچ۔ڈی ادبیات فارسی) کا اردو، فارسی اور پشتو نعتیہ کلام ہے۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام ناصر مروت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بار بار حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) کی حاضری نصیب فرمائی۔ دربارِ رسالت کی حاضری کی کیفیات محسوس کر کے انھوں نے یہ کلام لکھا ہے۔ چنانچہ ادب اور روحانیت سے وابستہ حضرات اس بات کو واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔ اہلِ علم و اہلِ نظر موجودہ دور کے بارے میں یہ رونا رو رہے ہیں کہ فارسی زبان سکولوں، کالجوں میں پڑھانا بند ہو گئی بلکہ مدارس کے نصاب سے بھی نکل گئی جس کے واضح نتائج سامنے یہ آئے کہ علم و معرفت، سوز و گداز اور ترنم جو فارسی میں تھا اس سے پاکستانی عوام محروم ہو گئے۔ مرزا غالب کو اردو شاعری کی صف اول کا شاعر مانا جاتا ہے لیکن غالب نے خود کہا:

ے

فارسی بین تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ

بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگِ من است

ترجمہ: میرے فارسی کلام کو دیکھو تا کہ اس میں رنگارنگ نظارے دیکھو۔ میرے اردو کے مجموعے کو چھوڑو، یہ تو میری بے رنگ سی چیز ہے۔

اردو شاعری کی صفِ اول کا شاعر اپنے فارسی کلام کا ایسے فخریہ تذکرہ کر رہا ہے حالانکہ ناقدین اس بات کو جانتے ہیں کہ غالبؔ کے فارسی کلام کو حافظ شیرازی کے کلام کے مقابلے میں لایا جائے تو واضح محسوس ہوتا ہے کہ حافظؔ، غالبؔ سے کتنا آگے ہے۔ حافظؔ کا کلام تو اردو اور فارسی کے محاورے بن کے چالو ہوا ہے۔ اس کا ترنم بدن کی رگ رگ کو بجنے پر مجبور کرتا ہے جبکہ اس کا سوز و گداز دل پگھلاتا ہے۔ مولانا روم کے بارے میں تو علامہ اقبال کو کہنا پڑا:

ے

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

وہی آب و گلِ ایران وہی تبریز ہے ساقی

ے

پیر رومی را رفیقِ راہ ساز

تا ترا بخدش خدا سوز و گداز

ترجمہ: پیر رومیؒ کو راستے کا ساتھی بناؤ تا کہ خدا تعالیٰ تمھیں سوز و گداز نصیب کریں۔

ے پیرِ رومی آں فقیرِ پاکباز
سرّ مرگ وزیست رابرماکشاد

ترجمہ: پیررومی وہ پاکبازفقیر ہے جس نے زندگی اور موت کے راز ہم پر کھولے۔

شیخ فریدالدین عطارؒ کے بارے میں مولانا رومؒ جیسی شخصیت نے فرمایا:

ے ہفت شہرِعشق راعطارگشت
ماہنوزاندرخمِ یک کوچہ ایم

ترجمہ: عشق (معرفت) کے سات شہروں سے عطارگزرگیاجبکہ ہم ابھی تک اس کی ایک گلی کے موڑ پر ہیں۔

ے عطارروح بودسنائی دوچشم او
ماازپئے سنائی وعطار آمدیم

ترجمہ: عطارروح تھاجبکہ سنائیؒ اس (معرفت) کی دوآنکھیں تھا۔ان دوشخصیات کے بعداگرکوئی آدمی آیاہے وہ میں ہوں (یعنی رومیؒ)

واقعی ان کےعلوم کوآج کے دور کے لئے رومیؒ ہی نے بیان کیا ہے۔ یہ سارے خزانے ہم سے رہ گئے جس کے نتیجے میں اردوکافہم بھی کم ہوگیااوراردو میں جتنادینی واخلاقی ادب تھااس سے نئ نسل محروم ہوگئی۔ چنانچہ ڈاکٹرغلام ناصر صاحب کواپنے اردومنظومات میں استعمال شدہ دینی وتاریخی اصطلاحات،تلمیحات اور فارسی ادبی ترکیبات کی 'تصریحاتِ مبین' کی صورت میں وضاحت کرنی پڑی ہے جس کی طرف اپنے تعارفی صفحات میں انھوں نے واضح اشارہ کیا ہے۔جس سے سمجھنے میں کافی آسانی پیداہوگئی ہے۔

ایسے حالات میں ہمارے ماحول میں فارسی ادب کی آخری نشانی جناب پروفیسرغلام ناصرصاحب ہیں۔

علامہ اقبالؒ نےاورنگ زیب عالمگیرؒ کے بارے میں کہاتھا:

ے درمیانِ کارزارِکفرودیں
ترکش مارا خدنگِ آخریں

ترجمہ: کفراوردین کے میدانِ کارزار میں ہمارے ترکش کاآخری تیراورنگزیب عالمگیرؒ تھا۔

واقعی آج فارسی کا آخری تیر جو ہمارے ترکش میں ہے پروفیسرغلام ناصرصاحب ہی ہیں۔کلام میں روانی، ترنم، پاکیزہ جذباتِ عقیدت، بلندخیالی، ساری چیزیں ہیں بالخصوص قرآن وسنت کے حوالوں، اہلِ بیت عظامؓ اور صحابہ کرامؓ کے تذکاراورحرمین شرفین کے آثار نے اشعارِحزیں کی طراوت وحلاوت کودوبالاکردیا ہے۔ بندہ نے پڑھ کرخوب لطف اٹھایا۔اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کوقبول فرمائے اورسرمایہ آخرت بنائے۔آمین

حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ

حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ جن کا نام عبداللہ بن ثوب رحمہ اللہ ہے اور یہ امتِ محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرما دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے عہدِ مبارک ہی میں اسلام لا چکے تھے لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلوایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ حضرت ابو مسلم رحمہ اللہ نے انکار کیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا ہاں۔ اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم رحمہ اللہ کو اس آگ میں ڈال دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو بے اثر فرما دیا اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقاء پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلاوطن کر دو ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل آجائے۔ چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی یعنی مدینہ منورہ۔ چنانچہ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتابِ رسالت ﷺ روپوش ہو چکا ہے۔ آنحضرت ﷺ وصال فرما چکے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے۔ انھوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی ﷺ کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انھوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟ یمن سے! حضرت ابو مسلم رحمہ اللہ نے جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً پوچھا: اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟ حضرت ابو مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: ان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔ اتنی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی۔ انہوں نے فوراً فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟ حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے جواب دیا: جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر فرطِ مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انہیں لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ انہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امتِ محمد ﷺ کے اس شخص کی زیارت کرا دی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا۔

(حِلیۃُ الاولیا ص ۱۲۹، تہذیب ج ۶ ص ۴۷۸، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۳۱۵، جہانِ دیدہ ص ۲۹۳، ترجمان السنۃ ج ۴ ص ۳۴۱)